AL-AHQAQ Recognized by HEC in Y-Category
https://ahqaq.com/index.php/Journal/article/view/48 ONLINE - ISSN- 3006-595X
Volume.3, Issue.1 (2025) PRINT - ISSN- 3006-5941

کلام اقبال وجلال میں عصری منظر نامہ

Contemporary Issues in the Poetry of Iqbal and Jalal

Munaza Niaz

Ph.D Scholar, Department of Urdu, Shaheed Benazir Bhutto Women University, Peshawar.

Email. ulislamnaveed3@gmail.com

Dr. Basmina Siraj

Chairperson, Department of Urdu, Shaheed Benazir Bhutto Women University, Peshawar.

Email. drbismina@gmail.com

ABSTRCT:

Allama Muhammad Iqbal has always made contemporary issues the subject of discussion through his thought, philosophy and poetry and has also presented excellent solutions to it. This has been the method followed by his followers after him. Dr. Syed Qasim Jalal is one of them. He studied all the collections of Iqbal's poetry thoroughly and discussed every topic of all the poetic capital in depth. He adapted his style of poetry to his own style. His style is elegant, simple and the style of narration is objective. He has presented national, objective, religious and moral poetry in the poetry of Iqbal and his contemporaries in the form of poetry in a research and critical manner. In his opinion, this period is of particular importance in terms of patriotism, freedom, non-discrimination, and the expression of Islamic ethics. Iqbal's influence on this period is more clear and far-reaching. This is why Iqbal emerges as a trend-setting poet not only in his own era but also in the post-era.

Keyword: Allama Muhammad Iqbal, contemporary issues, patriotism, freedom, Islamic ethics

پاکستان کے وجود میں آنے کے بعد آزادی کی ایک لہر چل پڑی اور بہت سی قوموں نے اپنے الگ الگ وطن حاصل کر لیے۔اس طرح سوچ میں تبدیلی آگئی اور آزادی کے حصول کی سوچ مدھم پڑتے ہی ذہنوں سے جدوجہد اور مقصدیت دم توڑنے لگی۔علامہ اقبال اپنا آپ منوا چکے تھے اور ان کو تسلیم کرنے کا سلسلہ بعد میں بھی جاری رہا۔لیکن اس مزاج کا کوئی اور شاعر ٹک نہ پایا در حقیقت اس طرح کی سوچ ہی باقی نہ رہی۔مزاج،رویے اور فکر تبدیل ہوئی۔دوسری افتاد یہ آئی کہ بکھری ہوئی دنیا سمٹ کر ایک دائرے میں محدود ہو گئی۔مادیت نے ذہنوں کو اپنے حصار میں لے لیا۔اس طرح اقبال کے لہجے میں بات کرنے والے بھی بہت کم رہ گئے۔اقبال پوری امت مسلمہ کا ترجمان تھا لیکن افسوس اس بات کا ہے

کہ اقبال کو فرقہ بندی میں ہر فرقے نے اپنے مفاد کے لیے بانٹ لیا۔ اس وجہ سے نقصان یہ ہوا کہ لوگ تذبذب کا شکار ہو گئے کہ دراصل اقبال کہنا کیا چاہتے تھے ؟۔ باوجود اس کے بہت سے لوگ اقبال کے حقیقی راستے اور تعصبات سے بالا سوچ رکھنے والے لوگ پھر بھی باقی ہیں۔ اقبال کی روایت سے محبت کرنے والوں میں ڈاکٹر سیّد قاسم جلال کا نام بھی بہت اہمیت کا حامل ہے۔

ادب صرف زندگی کے مسائل کا عکس ہی پیش نہیں کرتا، مسائل پر اثر انداز بھی ہوتا ہے۔ وہ مسائل خواہ سیاسی ہوں، معاشی ہوں یا سماجی نوعیت کے ہوں۔ اقبال نے سماجی شعور، عوامی بیداری اور خودی کا جو تصور دیا۔ جس طرح سے تہذیب اور انسانیت کو دیکھا اور اسے قوم تک پہنچایا۔ وہی طرز سیّد قاسم جلال کی شاعری میں موجود ہے۔ انہوں نے بھی معاشی، سیاسی اور سماجی مسائل کو تہذیبی نقطۂ نظر سے دیکھا ہے۔ علامہ اقبال نے ایک مسلمان کی صفت یوں بیان کی ہے۔

قہاری و غفاری و قدّوسی و جبروت — یہ چار عناصر ہوں تو بنتا ہے مسلمان (1)

علامہ اقبال دراصل ایک جدت پسند مفکر ہیں۔ آپ کی جدت پسندی کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ آپ کے ہاں جس قدر سیاسی شعور ہے اُردُو کے کسی اور شاعر کے پاس نہیں۔ آپ اپنی شاعری، دیگر تحریروں اور خطابت میں اپنے وقت کے سائنسی نظریات کا اظہار کرتے ہیں۔ آپ کے مطابق نئے جہاں کی تشکیل، افکار تازہ کے بغیر نا ممکن ہے۔ آپ تقلید کو ذہنی غلامی کی ایک شکل قرار دیتے ہیں۔ آپ تمام علمی شعبوں اور سائنس میں عقلی نقطۂ نظر کے قائل ہیں۔ آپ کے نزدیک عقل کی افادیت مظاہر کائنات کو سمجھنے اور کار دنیا میں مسلمہ ہے۔ علامہ اقبال نے قوم کے زوال کا سبب دین سے دوری کو قرار دیا ہے۔ قومیں دین سے بنتی ہیں نہ کہ سرزمین سے۔ اسلام اس جہاں تاب قومیت کا علمدار ہے۔ آپ فرماتے ہیں؛

اپنی دنیا آپ پیدا کر اگر زندوں میں ہے — سرِ آدم ہے ضمیر کن فکاں ہے زندگی
ہو صداقت کیلئے جس دل میں مرنے کی تڑپ — پہلے اپنے پیکر خاکی میں جاں پیدا کرے
پھونک ڈالے یہ زمین و آسماں مستعار — اور خاکستر سے آپ اپنا جہاں پیدا کرے (2)

اقبال نے اس حقیقت سے آگاہ کر دیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان پر اپنی صفات پیدا کر کے اشرف المخلوقات کے مقام پر فائز کیا ہے۔ آپ نے ماضی میں نظر آنے والی اس تہذیب کو مستقبل کے لیے رہنمائی قرار دیا ہے۔ اسی نقطۂ نظر کو ڈاکٹر سیّد قاسم جلال نے اپنے ان الفاظ میں اجاگر کر کے ایک مومن کی صفات کا تذکرہ کیا ہے۔ انھی صفات میں ماضی و مستقبل کو سمیٹ دیا ہے۔

جلال چار عناصر صفاتِ مومن ہیں — حیا، کشادہ نگاہی، وفا، اولوالعزمی (3)

سیّد قاسم جلال نے نئی نسل کی تربیت میں ایک عمر گزاری ہے۔ کالجز اور یونی ورسٹیوں میں مستقبل کی نسل کی رہنمائی کے لیے اپنی سوچ، فکر اور وقت دیا ہے۔ اس کے پیچھے کچھ محرکات بھی ہیں لیکن اتنا ضرور ہے کہ وہ اپنی آنے والی نسل کو با عمل مسلمان اور بہترین انسان دیکھنے کے خواہش مند ہیں۔ انھوں نے تعلیمی اداروں میں تدریسی فرائض کے دوران یہ محسوس کیا کہ کچھ اساتذہ جدیدیت اور مادیت کے زعم میں وہ تعلیم نہیں دے رہے جو دینی چاہیے۔ ایک اور المیہ یہ ہے کہ اچھائی کے مقابلے میں برائی ذہنوں پر جلد اپنے اثرات مرتب کرتی ہے۔ برائی کے پھیلنے میں بھی زیادہ وقت نہیں لگتا۔ خصوصاً موجودہ صدی میں جدید ٹیکنالوجی نے اس میں بڑا اہم کردار ادا کیا ہے اور ذہنوں کو بکھیر کر رکھ دیا ہے

۔ڈاکٹر شاکر کنڈان اس حوالے سے ڈاکٹر سید قاسم کے بارے میں یوں فرماتے ہیں کہ:

> ”ڈاکٹر سید قاسم جلال نے کالجوں اور یونی ورسٹیوں میں یہ بھی محسوس کیا ہے کہ ان اداروں میں اساتذہ ملی اور قومی تعلیم اور کرداری تربیت کی بجائے ایسی تربیت دے رہے ہیں جو نسلِ نو کو دین سے بھی دور کر رہی ہے اور دنیا کا صحیح راستہ بھی نہیں دکھا رہی، نہ وطن سے محبت کا درس دے رہی ہے۔ کچے ذہنوں میں مادیت بھری جارہی ہے۔ یا تو انہیں ملحدانہ خیالات کی طرف دھکیل دیا جاتا ہے یا ان ترقی یافتہ معاشروں کی طرف جہاں دین اور مذہب کا ذکر بھی گناہ تصور ہوتا ہے۔“(4)

اس سلسلے میں مدرسے (تعلیمی ادارے) اور خانقاہی نظام چلانے والے اپنا کردار ادا کر سکتے تھے لیکن وہ بھی دنیاداری کی دوڑ میں شامل ہو گئے۔ اقبال اس طرح کے خانقاہی نظام جس میں دنیاداری پائی جاتی ہے سے نہ صرف ناخوش تھے بل کہ دین سے دور کرنے والے تعلیمی اداروں سے مطمئن نہ تھے:

یہ بتانِ عصرِ حاضر جو بنے ہیں مدرسے میں نہ ادائے کافرانہ، نہ تراش آزرانہ(5)

اسی طرح خانقاہی نظام کے حوالے سے اقبال کا کلام دیکھیں:

یہ معاملے ہیں نازک جو تری رضا ہو تو کر کہ مجھے تو خوش نہ آیا یہ طریقِ خانقاہی(6)

اسی درد کو قاسم جلال نے بھی محسوس کیا ہے لہٰذا وہ اپنے غم کا اظہار کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

منکہ بودم ناامید از مدرسہ ہائی فرنگ سخت حیراں گشتم از احوالِ زشتِ خانقاہ(7)

اقبال کی دور بین نگاہ نے اپنے حال کے مشاہدے میں آنے والے لمحوں پر غور کرتے ہوئے افسوس کا اظہار کیا تھا جب کہ قاسم جلال نے اپنے زمانے کی اس دوڑ کو دیکھا ہے جس میں فرنگی اسکولوں کی بھرمار، فرنگی تعلیم کا التزام اور قوم کا کافی حد تک فرہنگی تہذیب و ذہنیت میں ڈھل جانا ہے۔ یہی بات ان کے لیے مایوسی کی علامت بن گئی ہے۔ قاسم جلال اس حقیقت سے پوری طرح آگاہ ہیں کہ جاپان نے اپنی تہذیب اور زبان کو اپنا کر ہی ترقی کی ہے۔ چین اور روس اپنی اپنی تہذیب سے جڑے رہے اور اِس مقام پر پہنچے۔ فرانس اور جرمن اپنی زبان سے باہر نہیں نکلے اس طرح انھوں نے بھی ارتقائی منازل طے کیے۔ پھر آخر ہم کیوں دوسروں کی تہذیب اور دوسروں کی زبان میں عافیت ڈھونڈتے ہیں اور اسے ہی ترقی کی راہیں گردانتے ہیں۔ سیّد قاسم جلال کی ایک نظم کا عنوان ”استاد“ ہے۔ آپ کی یہ نظم ایک استاد کو بہترین خراج عقیدت کی حیثیت رکھتی ہے۔ آپ خود بھی ایک مثالی استاد ہیں اور جانتے ہیں کہ ایک استاد کا معاشرے میں کیا کردار ہوتا ہے۔ ان کی نظم ملاحظہ فرمائیں:

نورِ علم و فکر و آگاہی عطا کی جس نے کیا عظمتِ لوح و قلم سے آشنا جس نے کیا
خیر کی اقدار کا روشن دیا جس نے کیا خوگرِ اخلاص و ایثار و وفا جس نے کیا
جس سے ہر گونگی زباں کو تابِ گویائی ملی جس کے دم سے دیدہ باطن کو بینائی ملی
جس کی سوچوں سے ہیں رفعت آشنا افکارِ قوم جس سے محکم ہے بنائے قلعۂ کردارِ قوم
جس کو خاص و عام کہتے ہیں سدا معمارِ قوم دیدۂ بیدارِ قوم و قافلہ سالارِ قوم

اس کے احسانات کو دُنیا بُھلا سکتی نہیں اس کی شمعوں کو کوئی آندھی بجھا سکتی نہیں(8)

ڈاکٹر سیّد قاسم جلال نے قوم کو اعلیٰ افکار کی دولت سے بھی نوازا ہے۔ آپ کے کلام میں ملّی شعور کے وہی عناصر موجود نظر آتے ہیں جو اقبالؔ کے کلام کا طرۂ امتیاز ہیں۔ حرص و ہوس کے اسیر ان صاحبانِ معلم کی لوٹ کھسوٹ، عوام کی حالت زار اور معاشر تی زبوں حالی انھیں خون کے آنسو رُلاتی ہے۔ تعلیم کے حوالے سے اُن کے یہ اشعار ملاحظہ فرمائیں:

رکھتی ہو اگر منزل مقصود کی پہچان تعمیر ہے، تنویر ہے، تہذیب ہے تعلیم
محرومِ مقاصد ہو تو اقوام کے حق میں تعزیر ہے، تزویر ہے تخریب ہے تعلیم(9)

عالم کی زندگی میں اگر عمل کا رنگ نظر نہ آئے تو اس کا علم اس کے لیے بھی لا حاصل ہے اور معاشرے کے لیے بھی۔ بقول قاسم جلال:

جو اپنے عِلم پر عامل نہیں ہے
ہے اس کا عِلم اس کے حق میں ایسے
ہو مشعل دستِ نابینا میں جیسے!(10)

سیّد قاسم جلال افکار و نظریات اور زبان و بیان کے حوالہ سے اقبالؔ جیسے عظیم شاعر کی صف میں شامل ہیں۔ جس طرح اقبالؔ کے ادبی کارنامے تابندہ و درخشندہ ہیں، اسی طرح قاسم جلال بھی ذہنوں کو منور کرتے رہیں گے۔ تاریخ ہمیں بتاتی ہے کہ زرعی نظام سے صنعتی نظام تک آنے میں صدیاں لگیں۔ صنعتی انقلاب سے رونما ہونے والا سرمایہ دارانہ نظام اٹھارہویں صدی کے نصف آخر میں شروع ہو کر بیسویں صدی کے آخر تک زور و شور سے جاری رہا۔ درمیان میں سوشلزم نے کچھ عرصہ در آنے کی اپنی سی کوشش کی لیکن وہ نظام بھی سرمایہ دارانہ نظام کا مقابلہ نہ کر سکا۔ یہاں تک کہ جدید ٹیکنالوجی نے اب اس کے مدِ مقابل آکر چند سالوں میں ہی کایا پلٹ کے رکھ دی ہے۔ اس قدر تیزی سے بدلتے ہوئے حالات اور ماحولیاتی بد نظمی میں جب کہ ہر طرف بے راہ روی اور اخلاقی پستی زوروں پر ہے اس میں مثبت روایات کو بر قرار رکھنا مشکل دکھائی دیتا ہے اور سیّد قاسم جلال کو بھی اس کا ادراک ہے لیکن وہ اپنی گفت گو کے نرم لہجے اور تحریر کے اخلاقی آہنگ سے اپنا کام بغیر کسی مالی فائدے کے کیے جا رہے ہیں۔ جیسا کہ علامہ اقبال اپنے کلام میں اس طرح اظہار کرتے ہیں:

میر سپاہ ناسزا، لشکریاں شکستہ صف آہ وہ تیر نیم کش جس کا نہ ہو کوئی ہدف(11)

اسی دکھ کو سید قاسم جلال اپنے کلام میں یوں بیان کرتے ہیں:

راہبر اں راہمہ، بے ذوق سفری بینم کارواں زخم بپا، خاک بسر، می بینم(12)

اسی طرح ایک اور شعر دیکھیں:

چنا ہے قافلہ سالارِ زیست وہ کہ جسے نہ فکر جادۂ منزل، نہ کارواں کا خیال(13)

میر سپاہ سے علامہ اقبال کی مراد مسلمانوں کی جماعت کے راہ نما کی ہے۔ انھوں نے بے مقصد نعرے لگانے والی قوم اور اس کے رہنماؤں پر افسوس کا اظہار کیا ہے۔ اسی طرح انھوں نے مزید کہا ہے:

عشقِ بتاں سے ہاتھ اٹھا اپنی خودی میں ڈوب جا　　　نقش و نگارِ دیر میں خونِ جگر نہ کر تلف(14)

اس طرح علامہ اقبال نے بت پرستی سے توبہ کرنے اور اپنی خودی میں ڈوب جانے کا مشورہ دیا ہے۔ دنیا کی فانی اور لایعنی دل چسپیوں میں خود کو ضائع کرنے سے منع کیا ہے۔ یہ بہت بڑی کم فہمی ہے کہ مٹی اور دھات کے بنے ہوئے بت کو ہی ایسا بت سمجھ لیتے ہیں جس کے سامنے ہندو یا کفار سجدہ ریز ہو کر اپنی خواہشات کا اظہار کرتے ہیں۔ صرف بت پرستی سے مراد بت کے سامنے سجدہ ریز ہونا نہیں بل کہ کسی کی محبت میں ڈوب جانا، زر، زن اور زمین کی خواہش وغیرہ کی اس قدر تمنا کرنا جو حدود سے نکل جائے۔ دراصل مادیت اور دنیاوی خواہشات کو کسی غلط طریقے سے پورا کرنا بھی بت پرستی کے زمرے میں آتی ہے۔ قاسم جلال اپنے مجموعہ کلام ''زہر و تریاق'' میں یوں کہتے ہیں:

عشقِ خوباں میں ملے گا نہ تجھے دل کا قرار　　　ڈھونڈ تسکیں نہ زر و سیم کے انباروں میں(15)

مال و زر نے انسان میں ہوس تو پیدا کی ہے لیکن سکون نہیں دیا اسی طرح عشقِ خوباں سے بھی دل کی بے چینی بڑھی ہے بل کہ خود سے اور خدا سے دور ہی کیا ہے۔ لہٰذا اس سب کی پرکھ اور پہچان کے لیے دیکھنے والا دل اور آنکھ کی ضرورت ہوتی ہے۔ یہ عطا صرف اللہ تعالیٰ کی ذات اپنے مخصوص بندوں کو عطا کرتا ہے۔ علامہ اقبال نے اسے دلِ بینا اور قاسم جلال نے چشمِ بینا کہا ہے۔ جیسا کہ علامہ اقبال کا یہ شعر ہے:

دلِ بینا بھی کر خدا سے طلب　　　آنکھ کا نور دل کا نور نہیں(16)

''دلِ بینا'' کی ترکیب علامہ اقبال نے بڑے گہرے مفاہیم کے لیے استعمال کی ہے۔ ظاہری آنکھ کی بینائی اور باطنی آنکھ کی بینائی دو الگ الگ قوتیں ہیں لیکن دونوں ایک دوسرے سے جڑی ہوئی ہیں۔ آنکھ دیکھ کر منظر کو ضائع کر دے تو وہ آنکھ کی بینائی ہے لیکن اس کو اگر دل میں اتار لے تو اسے دل کی بینائی کہا جاتا ہے۔ اس لیے اقبال نے ''دلِ بینا'' مانگا ہے۔ ''دلِ بینا'' سے حقائق تک پہنچا جاتا ہے۔ انسان کا دل اللہ تعالیٰ کا مسکن ہے۔ جدید سائنس کی رو سے دل سوچنے کا کام بھی کرتا ہے۔ دل اور دماغ کی سوچ میں وہی فرق ہے جو عقل اور عشق میں ہے۔ ڈاکٹر قاسم جلال نے اپنے کلام میں ''دل بینا'' کی بجائے ''چشمِ بینا'' کی ترکیب استعمال کی ہے اور اس سے ان کی مراد ''دل بینا'' ہی ہے۔

شعر دیکھیں:

نیست ممکن، کشفِ دہر و کشفِ ذات و کشفِ حق　　　گر نہ داری چشمِ بینا، خواہش عرفاں مکن(17)

یہاں ''چشمِ بینا'' کی اس حد کا ذکر ہے جو صرف ایک آلے کا کام کرتی ہے اور تصویر کھینچ کر دل و دماغ کو پاس کرتی ہے۔ خواہشِ عرفان کا تعلق دل سے ہے۔ اگر وہ آنکھ دل سے نہیں جڑی تو یہ ذہن میں رہے کہ زمانہ، ذات اور حق کبھی منکشف نہیں ہو سکتے۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ سے اس چشمِ بینا کی طلب کرنی چاہیے جو دلِ بینا کی معاون ہو۔ اس طرح کے بہت سے اشعار حوالے کے طور پر دیے جا سکتے ہیں جو ڈاکٹر سیّد قاسم جلال نے علامہ اقبال کی طرز میں کہے یا جن میں دونوں کے خیالات اور نظریات ایک ہونے کی دلیل پیش کرتے ہیں۔

اردو ادب میں بہت سے ایسے ادیب پیدا ہوئے جنھوں نے اپنے افکار کو فن کے قالب میں ڈھال کر انسانیت کی رہنمائی کی۔ حق پرستی، حق نمائی اور حق گوئی کا یہ سلسلہ ماضی کی طرح آج بھی پوری آب و تاب کے ساتھ جاری ہے۔ اگر فکری، دینی اور نظریاتی حوالے سے اردو ادب کا جائزہ لیں تو اس حوالے سے علامہ محمد اقبال کا مقام سب سے بلند ہے۔ اگرچہ ان کے فنی سفر کا آغاز بھی روایتی گل و بلبل اور زلف و رخسار سے ہی

ہوا تھا یعنی:

نہ آتے، ہمیں اس میں تکرار کیا تھی مگر وعدہ کرتے ہوئے عار کیا تھی(18)

علامہ اقبال نے علم کے حصول کی لگن سے متاثر ہو کر گورنمنٹ کالج لاہور سے لیکچر شپ سے استعفیٰ دے کر اعلیٰ تعلیم کے حصول کے لیے مغرب کا رُخ کیا۔ دینی گھرانے سے تعلق ہونے کے سبب انھیں اسلام سے گہری وابستگی تھی۔ انھوں نے جب یورپ کی لائبریریوں میں اسلام کے جلال کی تصویریں اور تحریریں دیکھیں تو مغربی ملمع ان پر واضح ہو گیا۔ انھیں مغربی تہذیب ناپائیدار دکھائی دینے لگی۔ جیسا کہ انھوں نے کہا ہے کہ:

تمھاری تہذیب اپنے خنجر سے آپ ہی خودکشی کرے گی جو شاخِ نازک پہ آشیانہ بنے گا ناپائیدار ہو گا(19)

علامہ اقبال پر جس قدر مغربی تہذیب کی حقیقت عیاں ہوتی چلی گئی۔ اسی قدر ان کی دینِ اسلام سے وارفتگی بڑھتی چلی گئی۔ حتیٰ کہ اسلام کا نور ان کی آنکھوں کا نور اور قلب کا سرور بن گیا۔ حیران کن بات یہ ہے کہ یورپ کے مادی ماحول اور سامراجی نظام نے اقبال کو مردِ مومن بنا دیا۔

عذابِ دانشِ حاضر سے باخبر ہوں میں کہ میں اس آگ میں ڈالا گیا ہوں مثلِ خلیل
خیرہ نہ کر سکا مجھے جلوۂ دانشِ افرنگ سرمہ ہے میری آنکھ کا خاکِ مدینہ و نجف(20)

علامہ محمد اقبال یورپ کے خلاف تھے اور مغربی تہذیب کو بھی ناپسند کرتے تھے۔ انہوں نے اپنے اشعار کے ذریعے مسلم قوم کو بیدار کیا کہ وہ فرنگیوں کی تہذیب سے دور رہیں کیونکہ ایک سچے مومن کی اصل منزل یہ نہیں ہے۔

فرنگ سے بہت آگے ہے منزلِ مومن قدم اٹھا! یہ مقامِ انتہائے راہ نہیں(21)

اب انھوں نے اپنی شاعری کو محض زبانی چٹخارے کے بجائے حقیقت کے اٹل اور انمٹ رنگ میں رنگ کر اتحاد بین المسلمین اسلامی نظریے کا عَلم بلند کیا۔ احیائے اسلام، کلامِ اقبال کا حاصل اور مرکزی نقطۂ نظر تھا۔ پہلے ان کے شعری اسلوب میں مجازی عشق کی رنگینیاں تھیں، مگر اب ان کے اسلوب کے شوخ رنگ میں نظریۂ اسلام کی ترنگ بھی شامل ہو چکی تھی۔ وہ یورپ جانے سے پہلے یہ محدود گیت گا رہے تھے:

سارے جہاں سے اچھا ہندوستاں ہمارا ہم بلبلیں ہیں اس کی یہ گلستاں ہمارا(22)

لیکن یورپ سے واپسی کے بعد

چین و عرب ہمارا، ہندوستاں ہمارا مسلم ہیں ہم، وطن ہے سارا جہاں ہمارا(23)

اگرچہ علامہ اقبال کا پیغام آفاقی تھا لیکن ان کا مطمعِ نظر بالخصوص ہندوستان کے مسلمان تھے۔ انھوں نے برعظیم کے اہلِ حق میں غلامی کی زنجیریں توڑنے کے لیے ذوقِ یقین بیدار کیا۔

غلامی میں نہ کام آتی ہیں شمشیریں نہ تدبیریں جو ہو ذوقِ یقیں پیدا تو کٹ جاتی ہیں زنجیریں(24)

اس کلام کے ذریعے ہندوستانی مسلمانوں میں آزادی کا جوش پیدا ہو۔ اس طرح کلمے کی بنیاد پر ریاستِ مدینہ کے بعد دوسری اسلامی ریاست پاکستان معرض وجود میں آئی۔ لیکن مصورِ پاکستان اپنے خواب کی تعبیر دیکھنے سے قبل ہی اس دنیائے فانی سے کوچ کر گئے۔ عصرِ حاضر میں

بہت سے اسلامی ممالک ہیں ان کا اتحاد نہیں ہے، مسلمان ممالک میں ظلم کا بازار گرم کیا جاتا ہے۔ مرد، عورت، بوڑھے، بچے اور نوجوانوں کا قتل عام ہورہا ہے۔ مقبوضہ کشمیر، عراق، فلسطین، چیچنیا، افغانستان اور دیگر کئی اسلامی و غیر اسلامی ریاستوں میں مسلمانوں کا قتل عام کیا جارہا ہے ۔علامہ اقبال نے تصور پاکستان سمیت ملت اسلامیہ کا تصور بھی پیش کیا تھا۔اس کا مطلب ہے کہ تمام مسلمان ممالک اتحاد اور یگانگت کے دھاگے میں پروئے ہیں کسی بھی مسلم کو کوئی تکلیف پہنچے تو سب اس کی مدد کرنے کو پہنچیں۔اس کا درد محسوس کریں ایک جسم کی طرح کہ کسی عضو میں درد ہو تو پورا جسم درد محسوس کرتا ہے۔حرم شریف کی نگہبانی اور پاسبانی کا بھی سب کو فکر ہو اور پوری امت مسلمہ ایک ہو جائے۔

ایک ہوں مسلم حرم کی پاسبانی کے لیے نیل کے ساحل سے لے کر تا بخاک کاشغر(25)

علامہ اقبال نے مسلم تشخص کو قائم رکھنے اور یگانگت و یکجہتی کے لیے معاشیات کے حوالے سے کتاب "علم لاقتصاد" میں یہ تجویز پیش کی ہے کہ اب خلافت تو باقی نہیں رہی اس لئے مسلمان ایک دوسرے کے دکھ درد کا خیال رکھیں۔جو پیداوار اور جس اسلامی ملک میں ہوتی ہے اس کی آپس میں تجارت کی جائے جس سے تمام اسلامی ممالک کی معیشت بہتر ہو گی اور تیسری دنیا میں جان پڑ جائے گی۔ آپ کے مطابق اس سے آسودگی اور دلی سکون حاصل ہو گا۔علامہ اقبال کا کلام، تقاریر، مضامین، خطوط اور دیگر تحاریر پڑھنے کے بعد قاری ان کے فکر و نظر سے اتفاق کرے یا نہ کرے لیکن مثبت اثرات دل پر ضرور لیتا ہے۔کیوں کہ اقبال کا پیغام بنیادی طور پر بے غرض اور بے لوث ہے۔ان کی ہمیشہ سے کوشش بھی یہ ہی رہی ہے۔فکر اقبال کا اخلاقی طور پہ یہ اثر بھی ہے کہ انسان عصر حاضر میں رہے۔اپنے آپ میں لیڈر شپ کی خوبیاں پیدا کرے۔ آج کل لیڈر شپ اور نظم و نسق کی تعلیم کا بے حد دور دورہ ہے جبکہ علامہ اقبال نے ایسے خیالات ۱۹۳۰ء میں دیئے تھے۔

اقبال نے جن شکایات کا ذکر کیا ہے یہ سب نکات مسلم قوم کے نوجوانوں کے لیے زہر قاتل ثابت ہوئے ہیں۔اقبال کے فلسفہ کو جس ایک لفظ میں بیان کیا جاسکتا ہے وہ 'خودی' ہے۔خداوندانِ مکتب نے اپنی قوم کے نوجوانوں کی خودی کو فروغ دینے میں نہ صرف کوتاہی برتی بلکہ اس کی حفاظت سے بھی غافل رہے اور نتیجتاً روحانی طور پر ایک مفلوج قوم پروان چڑھتی رہی۔اقبال نے برسوں پہلے جن نکات کی نشاندہی کی تھی وہ نکات آج ہمارے نظام تعلیم کی ناکامی کے کلیدی اسباب کے طور پر سامنے آئے ہیں۔ڈاکٹر محمد امین نے اپنے نظام تعلیم کی ناکامی کا ذکر کرتے ہوئے اپنی کتاب "ہمارا تعلیمی بحران اور اس کا حل" میں ان نکات کی طرف یوں اشارہ کیا ہے:

> "جب یہ واضح ہو گیا کہ ہمارا نظام تعلیم ناکام ہو گیا ہے اور بحران کا شکار ہے تو دو اور دو چار کی طرح واضح طور پر یہ بھی جان لینا چاہیے کہ اس کی ناکامی کا سبب کیا ہے؟ ہمارے نزدیک اس کی ناکامی کے دو بنیادی سبب ہیں: ایک تو یہ کہ اسلامی تقاضوں پر پورا نہیں اترتا اور دوسرے یہ مغربی فکر و تہذیب کی نقالی پر مبنی ہے۔"(26)

اقبال نے نظام تعلیم اور خداوندان مکتب سے جو شکایات کیں ان میں سے چند کا سطور بالا میں تذکرہ کیا گیا، ان شکایات کو دیکھتے ہوئے یہ بات سامنے آتی ہے کہ ہم نے اپنے بنیادی تصور کو پس پشت ڈال کر آگے کی جانب قدم بڑھانے کی کوشش کی تھی۔ترقی کرنا ہر فرد واحد کا پیدائشی حق ہے مگر جب یہ ترقی اس شخص کو اس کے روحانی اور تہذیبی تصور سے جدا کر دے گی تو وہ شخص اپنی قوم اور تہذیب سے کٹ کر رہ جائے گا اور بنیادی اقدار کھو دے گا۔موجودہ دور میں ہماری نوجوان نسل پر چھائی ہوئی مغربی تہذیب کو رد کرنے کے لیے ہمارے علمائے کرام کا کردار نہایت اہمیت کا حامل ہے۔اس حوالے سے ڈاکٹر محمد امین اپنی کتاب "ہمارا دینی نظام تعلیم" میں لکھتے ہیں:

"مغربی تہذیب آج کی غالب تہذیب ہے اور مسلمان معاشرے طوعاًو کرہاًاس کی تقلید کر رہے ہیں لہٰذا مغربی تہذیب کی پیروی کی وجہ سے مسلمان معاشرے بہت سے مسائل کا شکار ہیں۔ علماء کرام کی ذمہ داری یہ ہے کہ وہ مسلم معاشروں کی رہنمائی کریں،ان کو مغربی تہذیب کی وجہ سے پیدا ہونے والے مسائل کا حل ان کو بتائیں۔(27)

اقبال بھی یہی خواہش تھی کہ ہمارا نظامِ تعلیم خالص اسلامی اقدار کا حامل اور مغربی تہذیب سے پاک ہو۔افسوس کہ ہماری ثقافت نے اسلامی اقدار کو بجائے ترویج دینے کے مغربی تہذیب کو اپنالیا۔ مغربی تہذیب روحانی طور پر کمزور تہذیب ہے۔ جیسا کہ ڈاکٹر محمد امین نے بھی اس نکتہ کی طرف اشارہ کیا کہ ہمارے علمائے کرام کو مغربی تہذیب کے بھوت کو ہمارے نظام تعلیم سے خارج از بحث کرنا چاہیے۔

تعلیم کے تیزاب میں ڈال اپنی خودی کو ہو جائے ملائم تو جدھر چاہے اُدھر پھیر(28)

صاحبانِ علم و دانش نے ہر دور میں استحصالی و استعماری عناصر کی بیخ کنی کی ہے۔ محکوم و مغلوب طبقات میں شعورِ انقلاب پیدا کرنے کے لیے اپنی قلمی توانائیاں صرف کی ہیں۔اسی طرح علامہ اقبال نے اپنے منفرد آہنگ میں پسماندہ طبقات میں انقلابیت کا رجحان پیدا کیا۔

ڈاکٹر سیّد قاسم جلال عہدِ حاضر کے ایسے کہنہ مشق ادیب اور دانش ور ہیں جن کی انقلابی گل کاریاں اقبالیاتی مہک سے معطر ہیں۔اقبال کے ہم خیال جلال، اسلامی نظریۂ حیات کو عالمگیر پیامِ انقلاب سمجھتے ہوئے اسے جملہ استحصالی مسائل کا واحد حل تعبیر کرتے ہیں۔ ان کا کلام فکر و فن کی بالیدگی، اسلوبِ بیان کی حسن کاری اور فن بصیرت کا دلکش امتزاج ہے۔ ان تمام ادبی خصوصیات کو بروئے کار لاتے ہوئے قاسم جلال پسماندہ اور درماندہ طبقے کی مؤثر آواز بنتے دکھائی دیتے ہیں۔ انھوں نے نگاہِ عمیق سے موجودہ معاشرے کے جاگیر داروں کے ہاتھوں ہاریوں، صنعت کاروں کے ہاتھوں مزدوروں اور امیروں کے ہاتھوں غرباء کے استحصال کا مشاہدہ کر کے انقلابی افکار و نظریات کو زیبِ قرطاس کیا ہے۔ سیّد قاسم جلال جرأت اظہار سے کام لیتے ہوئے معاشرتی اضطراب کو یوں بیان کرتے ہیں۔ بقول جلال:

آ بتاؤں تجھ کو، کیسے ہیں یہ دُنیا کے نظام جن کی بد عملی سے مخلوقِ خدا تنگ آئی ہے(29)

ڈاکٹر سید قاسم جلال جنوبی پنجاب کی اس مردم خیز زمین کے سپوت ہیں جہاں ان گنت دانش وروں نے علمی کارہائے نمایاں سرانجام دیے۔ دوسری طرف انھوں نے مقامی طور پر جنوبی پنجاب کے قدیم جاگیر دارانہ نظام کا عملاً تجزیہ کرتے ہوئے انقلابی تاثر کو اپنے قلم کی زینت بنایا ہے۔ انھیں اس بات کا احساس ہے کہ ایئر کنڈیشنرز کی فضاؤں میں بیٹھ کر پالیسی بنانے والوں کو دھوپ میں کام کرتے ہوئے مزدوروں اور مزارعین کسانوں کے مسائل کا کیسے ادراک ہو سکتا ہے؟۔ آج نام نہاد ترقی یافتہ دور میں بھی جاگیر داروں کے نجی عقوبت خانے قائم ہیں جہاں غرباء اور مساکین پر ظلم و ستم کیا جاتا ہے۔ صنعتوں میں کام کرنے والے محنت کشوں کا کوئی پرسانِ حال نہیں۔ صحافتی آزادی کے باوجود اگر کوئی غریب صحافی اپنی قلمی ذمہ داریاں احسن طریقے سے ادا کرنے کی کوشش کرے تو استحصالی قوتیں اس پر ظلم و ستم سے گریز نہیں کرتیں۔ اس حوالے سے قاسم جلال پیامِ انقلاب دیتے ہوئے کہتے ہیں:

چپ چپ ہیں اگر عوام، تو کیا وہ، ظلم خوشی سے سہہ گئے ہیں
حالات نے کر دیا ہے گم صم اعصاب، چیخ کے رہ گئے ہیں(30)

ڈاکٹر سیّد قاسم جلال کی شاعری کا موضوع جبر و ستم، استحصال اور منفی قدروں کے خلاف جہادِ مسلسل کرنا ہے۔ آپ کے سارے مضامین وافکار، خیالات، محسوسات، جذبات، کیفیات اور اجتماعی مسائل اسی موضوع میں سما جاتے ہیں۔ ڈاکٹر اسلم فرخی یوں رقم طراز ہیں:

> "سیّد قاسم جلال کا دل اور ذہن ذوقِ اصلاح سے سرشار ہے۔ انہیں اپنے معاشرے کی بے وقعتی، ناتوانی، عصبیت اور ظلم و تشدد کا شدید احساس ہے۔ انہوں نے پاک صاف اور سچے دین کو اجارہ داروں کی اجارہ داری کا ذریعہ اور نفرتوں کا مظہر بنتے دیکھا ہے اور اس صورت حال پر خون کے آنسو بہائے ہیں۔"(31)

قلمی جہاد کا مقصد یہی ہے کہ کائنات میں خیر برپا ہو جائے اور انسانوں کے اذہان میں مثبت قدریں رہ جائیں۔ قاسم جلال کے عصری زمانہ میں جو کرب پایا جاتا ہے اس کرب کو آپ بھرپور صداقت کے ساتھ کاغذ پر سمیٹ لیتے ہیں۔ جبر و ستم کے خلاف اشعار کہنے کے حوالے سے یوں بیان کرتے ہیں:

گو بہت ہی بلند ہے اے دوست! ظالمانہ نظام کی، آواز
ختم ہوں گے تمام ہنگامے جوں ہی ابھری عوام کی آواز(32)

سیّد قاسم جلال مشرقی اقدار کی پامالی اور مغربی تہذیب کی یلغار سے اگرچہ دل برداشتہ ہیں لیکن وہ حوصلہ نہیں ہارتے۔ ان کو جھوٹ، منافقت اور ریاکاری سے سخت دشمنی ہے کہ ایک طرح یہ بھی جبر کی صورتیں ہیں جن سے شرفاء کا استحصال ہوتا ہے۔ بدی کا اندھیرا پھیلتا ہے اور خیر و صداقت کا چاند گہن میں آجاتا ہے۔

گلے لگا کے پیٹھ میں چھُرا نہ گھونپئے منافقت کی دوستی سے دشمنی بھلی(33)

جبر کا ایک معاشرتی المیہ طبقاتی فرق کا وجود ہے جس سے سماجی اور معاشی عدم توازن اور ناانصافی کے بہت سے شاخسانے پھوٹتے ہیں۔ قاسم جلال اس غیر فطری تضاد پر یوں لکھتے ہیں:

ایک وہ جو ظلمتوں میں محوِ نظارہ رہے ایک وہ ہیں روشنی نے جن کو اندھا کر دیا(34)

قاسم جلال محض جبر اور بدی کی نشان دہی ہی نہیں کرتا بل کہ اس کے متبادل اقدارِ خیر بھی پیش کرتا ہے اور ظلمت کے مقابل شمعیں رکھ دیتا ہے۔

توڑ کر ظلم وجور کی زنجیر لشکرِ حق کو نیک نام کریں(35)

قاسم جلال تنگ نظری، تعصب اور حد بندیوں کو توڑ کر ایک وسیع آفاقی کینوس بناتا ہے اور لوگوں کو انسان دوستی کی جانب آواز دیتا ہے۔

ہر تعصب مٹا کے سینے سے آؤ! انساں کا احترام کریں(36)

پروفیسر عاصی کرنالی، قاسم جلال کی شاعری کے متعلق فرماتے ہیں:

> "اِس قسم کے جرأت آفریں پیغام اس کی شاعری مین جگنوؤں کی طرح دمکتے نظر آتے ہیں۔ قاسم جلال جنون، دیوانگی، بے خودی، مجذوبی اور بے خردی کا شاعر نہیں ہے۔ وہ اس روایت کا ناسخ ہے اور شعور کا چراغ

ہاتھ میں لے کر وادیٔ خیال کو طے کرتا ہے۔ وہ جانتا ہے کہ ہماری انفرادی و اجتماعی بے صبری ہماری جہالت، ہمارے تعصّبات، ہماری نفرتوں، ہماری بربریتوں الغرض اوہام و وساوس سے لے کر ہماری بے حرمتیٔ اقدار اور ہماری کجراہیٔ اعمال کی تمام تر ذمے داری اس شعری روایت پر ہے جس نے جنون و بے خبری کی کوکھ سے جنم لیا ہے۔ وہ اس تمام منفی و مضر روایت پر خطِ تنسیخ پھیر دیتا ہے اور شعور کی روشنی میں آگے بڑھتا ہے۔" (37)

اس مادی کشمکش کے دور میں اخلاقی اقدار کی کوئی حیثیت نہیں رہی۔ روحانی معاملات سے گریز ہی تمام مسائل اور اُلجھنوں کا باعث ہے۔ جلالؔ نے اس شعر میں سمندر کو کوزے میں بند کر دیا ہے۔

یوں غلط کاموں کا شہرت دی گئی جو محاسن تھے، معائب ہو گئے
شر سے بچنے کا کرے ذکر کون؟ لوگ جب نیکی سے تائب ہو گئے (38)

قاسم جلال ایک ایسے معاشرے کے قیام کے خواہاں ہیں جو ہر قسم کے استحصال، ظلم اور بے انصافی سے پاک ہو۔ جہاں بھائی چارہ، امن و آشتی اور خوشحالی کی حکمرانی ہو۔ جہاں منافقت، ریاکاری اور جھوٹ کا نام و نشان تک نہ ہو۔ در حقیقت وہ آفاقی قدروں کے پاسدار اور خصوصاً اسلامی اقدار کے علم بردار ہیں۔ علامہ اقبال کے بعد قاسم جلال وہ شاعر ہیں جنھوں نے قوم کے سیاسی، نفسیاتی، سماجی، معاشی اور اخلاقی مسائل کے بارے میں سنجیدگی سے غور و فکر کیا ہے اور ان عوامل کی نشان دہی کی ہے جو نہ صرف قومی بل کہ عالمی سطح پر امتِ مسلمہ کے لیے تباہی و بربادی کا باعث بن رہے ہیں۔ بقول قاسم جلال:

شاہراہوں کی طرف رستے نکلتے ہیں جہاں سوچ کو اس انقلابی موڑ پر لایا ہوں میں
ہے مرے لب پر نئے سورج کی کرنوں کا پیام وادیٔ ظلمت میں، مانندِ سحر آیا ہوں میں (39)

ایک فلاحی معاشرے کے قیام کے لیے قوم میں اتحاد و اتفاق کی سخت ضرورت ہے۔ ذات پات کی تفریق، فرقہ بندی اور گروہی تعصب وہ زہرِ ہلاہل ہے جو خاموشی سے معاشرے کی رگوں میں پھیل کر اسے تباہی و بربادی سے ہم کنار کر رہا ہے۔ اسلام رنگ و نسل اور جغرافیائی حدود کو قومیت کی بنیاد نہیں بناتا۔ مسلمان چاہے دُنیا کے کسی خطے میں ہو، ملتِ اسلامیہ کا ایک فرد ہے اور اخوت کے لازوال رشتے سے منسلک ہے۔ فلاحی و مثالی معاشرے کی تشکیل اس وقت تک ممکن نہیں جب تک قومیت، وطنیت کے غیر اسلامی اور محدود نظریات کے بُت پاش پاش نہیں ہوتے۔ بقول قاسم جلال:

جذبِ قومیت و عشقِ وطنیت آخر دشمنِ وحدتِ اقوام رہے گا کب تک (40)

آج کا انسان حرص و ہوس کے شکنجے میں بری طرح جکڑا ہوا ہے۔ آسائشات کے حصول کی فکر میں وہ ذہنی سکون و اطمینان سے محروم ہو چکا ہے۔ قاسم جلال نے کیا فکر انگیز بات کی ہے۔ شعر دیکھیں:

خوشیوں کو تلاش کرتے کرتے دل وقفِ ملال ہو گیا ہے (41)

جھوٹی خواہشات کو جتنا پورا کیا جاتا ہے اور زیادہ بڑھتی ہیں۔ ہمارے معاشرے کا یہ بڑا المیہ ہے کہ لوگ دیکھا دیکھی مادی آسائشات اور دولت کے حصول کے لیے جائز و ناجائز ذرائع سے سر گرمِ عمل رہتے ہیں۔ قاسم جلال کی نظم "بوڑھی جوانی" کے اشعار ملاحظہ فرمائیں:

اگر ہو سائیکل تم کو میسر تو کہتے ہو کہ ہو کاش اِک سکوٹر
سکوٹر جب تمھیں ہو جائے حاصل مچلتا کار کی خاطر ہے پھر دِل(42)

جب افراد ذاتی اغراض سے بالا ہو کر سوچیں اور احترامِ انسانیت کو اپنے افکار کا محور بنائیں تو طبقاتی منافرت، لسانی و علاقائی تعصب اور سماجی و معاشرتی مسائل از خود ختم ہو سکتے ہیں۔ حب انسانیت، حب ذات پر محیط ہو جائے تو معاشرہ ارتقائی منازل کی طرف گامزن ہو سکتا ہے۔ قاسم جلال نے اس حقیقت کو یوں پیش کیا ہے۔

انسانیت کی روح سے انساں ہو آشنا حبّ جہاں محیط ہو گر حبّ ذات پر(43)

ڈاکٹر سیّد قاسم جلال نہ صرف دوسروں کو انقلاب کی دعوت دیتے ہیں بل کہ ان کی زندگی بذاتِ خود ایک سراپا انقلاب ہے۔ جے وی مدرس سے پروفیسر ڈاکٹر قاسم جلال تک اُن کا سفر زیست ہے۔ اگر وہ فکرِ انقلاب کے خوگر نہ ہوتے تو استحصالی قوتیں انھیں کبھی جے وی مدرس سے آگے نہ بڑھنے دیتی۔ اقبال کی طرز پر جلال نے عَلم انقلاب بلند کیا۔ بقول عاصی کرنالی:

> "قاسم جلال کی شاعری کا صرف ایک ہی موضوع بنتا ہے۔ جبر و ستم، استیصال و استحصال اور منفی قدروں کے خلاف جہادِ مسلسل۔ اُس کے سارے افکار و مضامین، سارے خیالات و محسوسات، سارے اجتماعی احوال و مسائل اسی موضوع میں سما جاتے ہیں۔ اس کے قلمی جہاد کا مقصد و منشا محض اور محض یہی ہے کہ انسانی کائناتِ حسن، خیر اور صداقت کی روشنی سے منور ہو اور انسانوں کے اذہان و قلوب اور افکار و عمال مثبت قدروں کے مظہر ہوں۔"(44)

جبر و استحصال خواہ کسی طبقے کی طرف سے ہو مذموم ہے۔ عدل و انصاف کا حصول مشکل ہو جائے تو معاشرہ کرب اور بے چینی کا شکار ہو جاتا ہے۔ اقربا پروری، رشوت، ذخیرہ اندوزی، ملاوٹ اور اختیارات کا ناجائز استعمال استحصال کی مختلف صورتیں ہیں۔ فلاحی معاشرے کے قیام کے لیے ان برائیوں کا خاتمہ ضروری ہے۔ قاسم جلال اس حوالے سے کہتے ہیں:

اقربا پروری کا سر کچلیں ختم حق تلفی عوام کریں
عدل و انصاف کا جو ضامن ہو قائم ایسا کوئی نظام کریں(45)

جھوٹی شہرت کی ہوس انسان کے شخصی اوصاف کو کچل دیتی ہے۔ سیّد قاسم جلال عصرِ حاضر کے نام نہاد اور پُر فریب روشن خیالی کا پردہ چاک کرتے ہوئے کہتے ہیں۔

عصرِ نو نے جب دیا روشن خیالی کا فریب پردہ داری کا مبلّغ بے لبادہ ہو گیا(46)

آپ کا فلسفۂ حیات سخت کوشی، تحفظ نفس اور جدوجہدِ مسلسل کا پیغام دیتا ہے۔

میں فریب شہسواری میں نہیں آیا جلال زندگانی کا سفر طے پاپیادہ ہو گیا(47)

قاسم جلال کی تمام تحریریں مثبت اقدار کی تلاش کا ایک سنجیدہ عمل ہیں۔ آپ اخلاقی قدروں کے زوال نظری، فکری اور سماجی تبدیلیوں پر گہری نظر رکھتے ہیں۔ آپ کا قلم معاشی اور معاشرتی ناہمواریوں کے خلاف ایک موثر آواز ہے۔ حقیقت کی تلاش اور اس کا بے لاگ

تجزیہ آپ کے کلام کا خاص وصف ہے۔ آپ نے اپنے گردوپیش کا چونکہ گہری نظر سے مشاہدہ کیا ہے اس لیے آپ معاشرتی گھٹن اور ذہنی خلفشار کے خلاف عَلمِ بغاوت بلند کر کے مظلوم اور مجبور عوام کو جرأت، شعور اور حوصلہ عطا کرتے ہیں اور احترام انسانیت کا درس دیتے ہیں۔ آپ کا یہ شعر دیکھیں:

اقرباپروری کا سر کچلیں ختم، حق تلفی عوام کریں(48)

آج کی دنیا حق بات کو پسند نہیں کرتی۔ اسے جھوٹ، بے ایمان اور منافق اچھے لگتے ہیں۔ خواہ کوئی پسند کرے یا نہ کرے۔ سید قاسم جلال حق بات منہ پر کہنے سے نہیں چونکتے۔ انھوں نے نہ کبھی جھوٹ سے سمجھوتا کیا اور نہ ہی زہرِ ہلال کو قند کہا۔

حق بات جلالؔ اکثر، کہہ دیتا ہوں میں منہ پر راضی ہو کوئی مجھ سے یا کوئی بُرا مانے(49)

ایسی دانش جو نہ خود حق کے راستے پر چلے اور نہ دوسروں کی رہنمائی کرے، فریب کے سوا اور کچھ نہیں۔ نام نہاد علماء جو فرقہ بندی، تعصب اور تنگ نظری کا درس دے رہے ہیں۔ اس بات سے بے خبر ہیں کہ اُن کا یہ اقدام ملک و قوم کے لیے کتنا خطرناک ہے۔ قاسم جلال اتحادِ عالمِ اسلام کے داعی ہیں۔

ہیں وحدتِ ملّت کے لیے موت کا پیغام پھیلے ہیں جو ذہنوں میں تعصب کے جراثیم
فرقوں کے تعصب میں ہے پہلے ہی بٹی قوم اب اور خدارا اِسے کیجیے تقسیم(50)

ڈاکٹر سیّد قاسم جلال نے اپنی شاعری کے ذریعے عرفان و آگہی کے جو چراغ جلائے ہیں، وہ ہمیشہ ملتِ اسلامیہ کے ذہنوں کو منور کرتے رہیں گے۔ علامہ اقبال کے بعد آپ واحد شاعر ہیں جنھوں نے اپنی پوری شاعری کو احیائے اسلام اور بیداریٔ ملت کے لیے وقف کر رکھا ہے۔ قاسم جلال کے انقلابی پیغام کے حوالے سے معروف ادبی شخصیت پروفیسر ضیغم شمیری یوں لکھتے ہیں:

> ”قاسم جلال کی ساری خلاقیاں ایک نقطۂ منور کی تشریح پر منتج ہوتی ہیں اور وہ ہے بدی کی ہر صورت اور ہر پیکر کے خلاف جہاد، قاسم جلال ایک ایسا خوش زمزمہ شاعر ہے جس کی باتیں مجھے کسب و قال سے زیادہ حضور وحال نظر آتی ہیں۔ اس کے پاس حرف کا عرفان بھی ہے اور غزل خوانی کا لہجہ بھی۔ وہ لفظ کی جوہری طاقت سے آشنا نظر آتا ہے۔ وہ اُن پانیوں کی تلاش میں نکلتا ہے جو اسے یخ بستگی کے عذاب سے نکال کر زندگی کی حدت و حرارت فراہم کرتے ہیں۔“(51)

اقبال کے انقلابی طرزِ سخن کی عکاسی کرتے ہوئے قاسم جلال بھی اس دور کے محکوم و مظلوم لوگوں کی توانا آواز بن چکا ہے۔ جلال کی تحریریں فکرِ اقبال کا حقیقی پرتو دکھائی دیتی ہیں۔ استحصالی قوتوں کو متنبہ کرتے ہوئے قاسم جلال کہتے ہیں:

قوم می گوید بصد قہر و عتاب انقلاب انقلاب، انقلاب و انقلاب(52)

ڈاکٹر قاسم جلال نے آج کے انسان کی معاشی مشکلات، نفسیاتی ناآسودگی، سماجی ناانصافیوں اور دیگر روح فرسا مسائل کو بڑے سلیقے سے اپنی شاعری کے سانچے میں ڈھالا ہے۔ انھوں نے صرف مسائل ہی پیش نہیں کیے بل کہ ان کا حل بھی تجویز کیا ہے۔ انھوں نے زندگی کے تلخ حقائق کو کھلی آنکھوں سے دیکھا ہے اور ہمدردی اور دل سوزی سے اشعار کے روپ میں پیش کر دیا ہے۔ بقول ڈاکٹر شفقت قاضی:

> " قاسم جلال کی تحریروں میں معاشرتی مسائل کا گہرا شعور پایا جاتا ہے۔ تحقیقی و تجزیاتی رنگ نے ان کی نگارشات کو منفرد و نمایاں انداز عطا کیا ہے۔ان کی شاعری میں جدید رجحانات پوری آب و تاب کے ساتھ نظر آتے ہیں جو یقیناً دنیائے ادب کے لیے ایک نیک فال ہے۔"(53)

انسان جب دنیا میں آنکھ کھولتا ہے تو اس کا ذہن ایک سادہ ورق کی طرح ہوتا ہے۔جوں جوں وہ بڑا ہوتا جاتا ہے، اس ورق پر تجربات کے نقوش بڑھتے جاتے ہیں۔معاشرہ ایک ایسا استاد ہے جو گود سے گور تک انسان کی رہنمائی کرتا ہے۔سیکھنے اور اخذ کرنے کا عمل مسلسل تاحیات جاری رہتا ہے۔، فرد، معاشرے کے قوانین، رسوم اور مخصوص رجحانات کی گود میں پرورش بھی پاتا ہے اور اس پر اپنے اثرات بھی مرتب کرتا ہے۔انفرادی میلانات و خصوصیات کو اگر وسیع تناظر میں دیکھا جائے تو ان میں معاشرے کا ہی عکس دکھائی دے گا اور اگر معاشرے کے تہذیبی و ثقافتی خدّوخال کا مشاہدہ کیا جائے تو اس میں درپردہ شخصی صلاحیتیں ہی کارفرما نظر آئیں گی۔

علامہ اقبال نے اسلامی نظریۂ حیات کو ادبی سانچے میں ڈھالتے ہوئے وہ خوش فکری کے تصورِ کامل کو بامِ عروج پر پہنچا دیتے ہیں۔اُن کے کلام میں یاسیت اور حزنیت کی بجائے رجائیت کا تاثر جاگزیں ہے۔اسی لیے وہ کشتِ ویراں سے بددل ہونے کی بجائے پُراُمید دکھائی دیتے ہیں۔اُن کا کلام عظمتِ ماضی سے روشناس کراتے ہوئے درخشاں مستقبل کی نوید سناتا ہے۔خودداری و حمیت، عمل پیہم، یقینِ محکم اور باہم اخوت و اُلفت کا درس اُن کی شاعری کا محور و مرکز ہے۔وہ مردِ مومن کو اوصافِ حمیدہ کا پیکر اور عقابی خصائص کا سرچشمہ سمجھتے ہیں۔مردِ مومن کے لیے اقبال کا پیغام ہے:

کافر ہے تو شمشیر پہ کرتا ہے بھروسا مومن ہے تو بے تیغ بھی لڑتا ہے سپاہی(54)

علامہ اقبال منفی اقدار، تخریبی افکار اور فرسودہ خیالات کو حیاتِ ملی کے لیے زہرِ قاتل سے تعبیر کرتے ہیں۔ان کا ادبی نقطۂ نظر اسلامی ضابطۂ حیات کی ترویج کرتا ہے۔خلیفہ عبدالحکیم اپنی تصنیف "فکرِ اقبال" میں یوں رقم طراز ہیں کہ:

> "جس قسم کا انقلاب روس میں ہوا، اس سے ملتا جلتا انقلاب اقبالؔ ملتِ اسلامیہ میں بھی دیکھنا چاہتا ہے لیکن اس کا محرک اسلام ہونا چاہیے نہ کہ الحاد تاکہ "لا" کے بعد آسانی سے "الا" کی طرف قدم اُٹھ سکے بل کہ توحید ہی اس تمام انقلاب کا محرک ہو۔"(55)

عصرِ حاضر میں ڈاکٹر سیّد قاسم جلال نے اقبال کے نظریات کو قرطاس کی زینت بناتے ہیں۔ان کا کلام سادگی، سلاست روی اور متنوع مضامین کا آئینہ دار ہے۔زیادہ تر ان کی مثبت رجحانات اور اعلیٰ اقدار کی ترویج ان کے کلام کو بدرجہ اتم نمایاں کرتی ہے۔انھوں نے تشبیہات و استعارات کو استعمال کر کے اپنے کلام کو اجاگر کیا ہے۔ان کا کلام زندگی کی عملی عکاسی کرتا ہے۔جذبات، خیالات اور متاثر کن احساسات کلامِ جلال کا طرۂ امتیاز ہیں۔اُن کے تدبر و تفکر کا محور احترامِ انسانیت، مساوات، ایثار و ہمدردی، رجائیت، انصاف اور امید افزائی ہے۔

شوقِ منزل چوں در دلت باشد راہِ پُرخم تمام خواہد شد
عیشِ رفتہ نہ خواہد آمد باز کربِ نو ہم تمام خواہد شد(56)

انسانی ذہن کی ساخت، خلّاقِ فطرت کا ایک عجیب شاہکار ہے۔فکر و عمل کے لحاظ سے بظاہر تمام لوگ ایک جیسے دکھائی دیتے ہیں لیکن

جب ہم اُن کے اعتقادات، نظریات، عادات واطوار اور رسم وروایات کا گہری نظر سے مشاہدہ کرتے ہیں۔ اس وقت یہ حقیقت کُھل کر سامنے آتی ہے کہ یکسانیت اور یک رنگی کے باوجود ان کی سوچ میں تضاد کا عنصر نمایاں ہے۔ ہر فرد اپنے ذہنی امتیازات کی وجہ سے معاشرے کو توازن اور تناسب کا دلچسپ مرقع بنا دیتا ہے۔ یہ وہ قطرہ ہے جو سمندر میں شامل رہ کر بھی اپنی آب و تاب قائم رکھتا ہے۔ افراد کی ذاتی خصوصیات کی طرح دُنیا کی ہر قوم کا ایک مخصوص تہذیبی و معاشرتی مزاج ہے۔ مثالی معاشرے کے قیام کے لیے خداوندِ تعالیٰ کی خوشنودی کا حصول ہی کامیابی و کامرانی کا بہترین ذریعہ ہے۔ بقول قاسم جلالؔ:

تیری خوشنودی کو سمجھا جس نے مقصودِ حیات   درحقیقت وبشر ہے کامیاب وکامراں(57)

"پیامِ انقلاب" کا اگر مطالعہ کیا جائے تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ قدرت نے ڈاکٹر سید قاسم جلال کے فکر و نظر کو کمال بالیدگی سے نوازا ہے۔ ان کے تخیلات میں عصری آگہی کی جھلک دکھائی دیتی ہے۔ اپنے تجربات ومشاہدات کو احساس کی آنچ دے کر شعری قالب میں ڈھالتے ہوئے ملی عزائم، اخلاقی اقدار اور انقلاب آفرینی کا پرچار کرتے ہیں۔ منفی طرزِ عمل، عیاری ومکاری، عدم مساوات، ریاکاری اور کذب بیانی انھیں دل گرفتہ کرتے ہیں۔ ان رویوں سے مایوس ہو کر اُمید افزا اُجالوں کے منتظر دکھائی دیتے ہیں:

نی شمعِ صبح، نی شبِ ظلمت چکیدہ اَم   مثلِ شعاعِ مہر، سحر آفریدہ اَم
عصرِ جدید! سامعہ گم کردہ ای کجا؟   بشنو ہنوز زمزمہ ٔ ناشنیدہ ام(58)

اقبال کے طرزِ سخن کو ڈاکٹر سید قاسم جلال اپناتے ہوئے بیداریٔ ملت کا کارِ گراں مایہ انجام دیتے ہیں۔ آپ ملت اسلامیہ کو اسلامی طرزِ حیات پر گامزن کرتے ہوئے عروجِ ملت کا عہدِ رفتہ دوبارہ دیکھنا چاہتے ہیں۔ "خطاب مسلم" میں قاسم جلال یوں لکھتے ہیں:

کجا گم کردہ ای اقدارِ اسلاف   بگو اے مسلمِ پامالِ دوراں
چرا کردہ ای ترکِ اعمالِ صالح؟   چرا گشتہ ای از مذہب گریزاں
چرا از زندگی کردہ ای بیروں   فرامینِ نبی ﷺ، احکامِ یزداں(59)

ڈاکٹر سید قاسم جلال کا دل جذبۂ حبِ وطنی سے معمور ہے اور اُن کا کلام اسی ولولے کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ اقبالی رنگ میں تعمیرِ ملت کے ساتھ ساتھ تعمیرِ وطن کا درس بھی دیتے ہیں۔ آپ چاہتے ہیں کہ ہمیں ذاتی مفادات کو بالائے طاق رکھتے ہوئے ملی مفادات کو ترجیح دینی چاہیے۔ آپ نام نہاد راہبرانِ ملت کے تخریبی عزائم سے شدید برہم ہیں۔ بقول جلالؔ:

گر ندانی باغباں! آدابِ تعمیرِ چمن   گلشن آباد را از دستِ خود ویراں مکن(60)

قاسم جلال کا دل موجودہ ملکی صورت حال پر خون کے آنسو روتا ہے۔ آپ جاہ ومنصب اور ذاتی مفاد کے لیے ملک کی جڑیں کھوکلی کرنے والے حکمرانوں سے مخاطب ہو کر کہتے ہیں۔

خار خار این جاز صدہا قرن تشنہ کام است   خوں فشانی ایں قدر اے دیدۂ گریاں مکن(61)

قاسم جلال کے کلام میں اخلاقیات کا غلبہ ہے۔ نیکی کا دفاع، شر کی مزاحمت، مادیت سے بغاوت، اخلاقی اقدار کی پامالی کا نوحہ، تمیزِ خیر و شر کی ضرورت، علم کے ساتھ عمل کا رابطہ اور حدود اللہ کی پابندی جیسے موضوع موجود ہیں۔ آپ معاشرتی و معاشی ناہمواری، سیاسی افراتفری،

مذہبی منافرت اور منفی اقدار کے فروغ کے ذمے دار حکمرانوں کو ٹھہراتے ہوئے یوں کہتے ہیں:

زخمیٔ تیغ تو ام، نادم مشو، درماں مکن — ایں ہم احسانِ تُرا باشد بہ من احساں مکن (62)

آپ تعمیری سوچ اور مثبت طرزِ فکر کے مالک ہیں لہٰذا مایوسی کو گناہ کبیرہ سمجھتے ہوئے نوجوان نسل کو وسائل کی کم یابی اور تنگیٔ داماں کے باوجود قوم کی تعمیرِ نو پر اُکساتے ہوئے فرماتے ہیں:

بارآوری شود سعیٔ مسلسل ای جلالؔ — ذکرِ محرومی و فکرِ تنگیٔ داماں مکن (63)

پروفیسر جمیل احمد عدیلؔ، ڈاکٹر سید قاسم جلال کے خوش فکر طرزِ سخن کو یوں بیان کرتے ہیں:

> "اُنھوں نے نظری مباحث کی بجائے عملی اور حقیقی حوالوں (ضابطۂ اخلاق کے اعتبار سے) کو زیادہ ترجیح دی ہے کیونکہ قاسم جلال کمٹ منٹ کے پکے ہیں اور ان کی وابستگی یہی "زندہ رود" ہے جو اخلاقیات کے سرسبز شاداب کھیتوں کی آبیاری کرتی ہے۔"(64)

ڈاکٹر سیّد قاسم جلال نے حکیمانہ بصیرت سے تفکرِ اقبال کے رنگ و آہنگ سے قصرِ کلام کو مزین کیا ہے۔ معروف ادیب و نقاد ڈاکٹر فرمان فتح پوری لکھتے ہیں:

> "قاسم جلال کا اندازِ فکر، اس کی سوچ کا محور اور اس کا طرزِ احساس کبھی مایوسی کا شکار نہیں ہونے پاتا۔ قدم قدم پر اُس نے رجائیت و روحانیت اور آدمیت و احترام آدمیت کی قندیلیں روشن کر رکھی ہیں۔ چنانچہ قاسم جلال جب بیتے ہوئے لمحات، بدلتے ہوئے حالات، یزداں کی عنایات، انساں کی شکایات، ماضی کی صعوبات، حال کی مشکلات اور مستقبل کے خطرات کا انکشاف کرتا ہے تو یوں لگتا ہے جیسے وہ زندگی کے ہر چیلنج کو قبول کرنے کے لیے تیار ہے۔ پاؤں کے آبلوں اور راستے کے کانٹوں سے خوفزدہ یا مایوس نہیں ہے بل کہ اپنے اندر عزم و حوصلہ اور خوشی و نشاط کی تازہ لہر محسوس کرتا ہے۔"(65)

فرمان فتح پوری کے ماہرانہ تجزیے سے عیاں ہوتا ہے کہ ڈاکٹر سیّد قاسم جلال کا کلام دھنک کی طرح ہفت رنگ ہے مگر سب رنگ خوش فکری کی صورت میں یک رنگ نظر آتے ہیں۔ ادبی دنیا کے معتبر نقاد ڈاکٹر عاصی کرنالی ان کی ادبی خوش فکری کو بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں:

> "قاسم جلال کی نظموں میں اخلاقیات کا غلبہ ہے، نیکی کا دفاع، شر کی مزاحمت، حب جاہ و ثروت کی مذمت، مادیت سے بغاوت، اخلاقی اقدار کی پامالی کا نوحہ، تمیز خیر و شر کی ضرورت، علم کے ساتھ عمل کا رابطہ، حدود اللہ کی پابندی وغیرہ مضامین موجود ہیں۔ ان نظموں میں جذبے کی بجائے تفکر کا رنگ غالب ہے۔"(66)

ڈاکٹر سیّد قاسم جلال متنوع مضامین کو اقبالی طرز میں ملبوس کرتے ہوئے اپنا کلام پیش کرتے ہیں۔ جلال کا خاصہ اقبالی اسلوب، حسنِ بیان اور فکر و خیال ہے۔ کلامِ جلال، پیامِ اقبال کی طرح بحرِ بیکراں ہے۔ اگر کلامِ جلال کی خوش فکری کا جائزہ لیا جائے تو سوزِ اقبال، گداز جلال میں پنہاں نظر آتا ہے۔

اقبال کہتے ہیں قومیں شاعروں کے دلوں میں پیدا ہوتی ہیں اور سیاستدانوں کے ہاتھوں زندہ رہتی ہیں یا مر جاتی ہیں۔ "ابلیس کی مجلس

شوریٰ" میں ابلیس اور اسکے مشیروں کی گفت گو میں سیاسی نظام کو بے نقاب کیا گیا ہے۔ اس میں مغربی جمہوریت کے جھوٹ کا لبادہ دکھایا گیا ہے۔ جس میں اسے عوام کی حکمرانی کا علمدار اور حقوق آزادی اظہار کہا گیا ہے۔ گمراہی کا جو پرچم ابلیس نے اٹھار کھا ہے اقبال کے مطابق اب اسکے پرچم بردار ہمارے سیاسی نظام سے جڑے لوگ ہیں۔ اقبال "ابلیس کی عرض داشت" نامی نظم میں فرماتے ہیں۔

جمہور کے ابلیس ہیں اربابِ سیاست باقی نہیں اب میری ضرورت تہہ افلاک(67)

ضرورت اس بات کی ہے کہ عصر حاضر میں مسائل کا حل فکر اقبال کی روشنی میں تلاش کیا جائے۔ اقبال نے مشرق و مغرب کے افکار کو پرکھا لیکن اسلامی تعلیمات کو ہر صورت میں مد نظر رکھا۔ اقبال کا نظریہ اخلاق بھی ان بنیادوں پر قائم ہے۔ علامہ اقبال نے معاشرتی زندگی میں توازن پیدا کرنے کے لیے معاشرتی علوم کا احترام اور معیاری علوم کی اہمیت کو مد نظر رکھتے ہوئے انسان کو خود اس طور پر قابل بنایا کہ وہ اخلاق کو قانون کی حیثیت دینے لگا۔ پھر خود شناسی سے خداشناسی کا سفر طے کرنے کے بڑے سلیقے سے گر سکھائے۔

قاسم جلالؔ قطعات میں عملی زندگی کے نوع بہ نوع مشاہدات، معاشرت، معیشت، سیاست اور اخلاقیات کے عملی پہلوؤں کے حوالہ سے چشم کشا حقائق کو نہایت سچے اور بے باک انداز میں بیان کرتے ہیں۔ آپ نام نہاد دانش وروں کی طرح مصلحت کوشی کی روش اختیار نہیں کرتے۔ نہ ہی نصب العین یا نظریے سے اخفاء یا گریز کی راہ اختیار کرتے ہیں۔ یعنی:

مسکراہٹ ہونٹ پر، آنکھوں میں عیاری کا رنگ گفتگو میں خیر خواہی، رُخ پہ مکاری کا رنگ
ہیں ہمارے رہنماؤں کی علامتِ شناخت چھپ نہیں سکتا کبھی، ان کی عیاری کا رنگ(68)

قاسم جلالؔ عملی زندگی میں مثبت پہلوؤں کی نہایت حُسن و خوبی سے پاسداری کرتے ہیں۔ اس کے برعکس ہمارے معاشرے میں منفی روّیوں کے ناسور بھی بہت فروغ پذیر ہیں۔ ان ناسوروں میں قومی رہنماؤں کی بے حسّی، اہل دانش، کج روی، روّیوں میں روکھا پن، اہل سیاست کا بُغض و عناد اور صاحبانِ نقد و نظر کی کم نگاہی قابلِ ذکر ہیں۔ بقول قاسم جلال:

سوچیے، آج رفاقت کے ہیں کیوں دعوے دار جو ہمیں دیکھنے کو بھی کبھی تیار نہ تھے
آج بڑھ بڑھ کے وہ کیوں ہم سے گلے ملتے ہیں جو کبھی ہاتھ ملانے کے روادار نہ تھے(69)

حق و باطل کی قوتیں روزِ ازل سے ہی آپس میں برسرِپیکار رہی ہیں۔ ایک طرف امن پسند لوگ ہیں تو دوسری طرف شورش برپا کرنے والے، ایک طرف انصاف کے علم بردار ہیں تو دوسری جانب قانون کی دھجیاں بکھیرنے والے بھی موجود ہیں۔ اگر دلیل و برہان سے مسائل کو سُلجھانے والے لوگ موجود ہیں تو ہٹ دھرم قسم کے افراد بھی ان کے مدِّ مقابل کھڑے ہیں۔ لیکن انسانیت سے محبت کرنے والے مستقل مزاج اپنے میدان میں ڈٹے ہوئے ہیں۔ عصر حاضر میں شعرا میں سے بہت کم شعرا ایسے نظر آتے ہیں جنھوں نے حق و باطل کے معرکے میں اقدارِ خیر کو موضوع بنایا ہو۔ اس کے برعکس بیشتر شعرا کی شاعری گمراہ کن اور اسلامی سوچوں کے برعکس ہے۔ ایسے قحط الرجال کے دور میں قاسم جلالؔ جیسے شعرا کا دم غنیمت ہے جنھوں نے اپنے قلم کو منفی سوچوں کے خلاف جہاد کے لیے استعمال کر کے سچے اور کھرے مسلمان ہونے کا ثبوت دیا ہے۔

قاسم جلالؔ کو اگر ہم اس کے افکار و نظریات کے ترازو میں تولیں تو ہمیں ایک ایسا انسان نظر آتا ہے جو امن و اخوت کا درس دیتا ہے۔

زندگی کی مشکلات پر قابو پانے کے لیے ہمت اور حوصلے کا درس دیتا ہے۔ اس کا کلام سراپا دعوت فکر و عمل ہے۔ وہ نئے راستوں، نئی سوچوں اور نئی جہتوں کا امین ہے۔ قاسم جلالؔ نے شاعری کو نئے رجحانات سے آشنا کیا ہے۔ آپ کے کلام میں شعور و فکر کے نئے زاویئے نظر آتے ہیں۔ آپ کے افکار میں اسلام کا متوازن و معتدل نظریہ نظر آتا ہے۔

بحث میں برہان دو، برہان لو　　　بات سچی ہو تو فوراً مان لو(70)

آپ ادہام کی قید سے طائر فکر و شعور کو آزاد دیکھنا چاہتے ہیں۔ فرقہ بندی اور تعصب کے بتوں کو پاش پاش کرنا اس کا مشن ہے۔ وہ کہتا ہے:

ذہن پر سایۂ ادہام رہے گا کب تک　　　طائر فکر تہِ دام رہے گا کب تک

فرقہ بندی کا تعصب بہ نگاہِ علماء　　　جزوِ لاینفکِ اسلام رہے گا کب تک(71)

آپ کے نزدیک علماء کا فروعی مسائل میں الجھنا ملتِ اسلامیہ کے لیے نقصان دہ ہے۔ دینِ اسلام کی بنیاد محبت، اخوت، مساوات اور انسان دوستی پر قائم ہے۔ اسلام بغض و حسد کو پسند نہیں کرتا۔ اسلام ہمدردی، ایثار، یقین کامل، تنظیم، اتحاد اور سچائی پر پختہ ایمان لانے کی تلقین کرتا ہے۔ قاسم جلال حقیقتوں اور سچائیوں کا داعی ہے۔ اس کے خیال میں شاعری اور نثر محبوب کی تعریف میں زمین و آسمان کے قلابے ملانے اور جنس و جرم پر مبنی افکار تخلیق کرنے کا نام نہیں۔ اگر کوئی ایسا کرتا ہے تو اس کی سوچ ہرگز اسلامی نہیں ہو سکتی۔

کب ٹلے گا ادب و شعر سے طاعونِ غلو　　　عشق بے صدق کا سرسام رہے گا کب تک(72)

قاسم جلالؔ ایک ایسے معاشرے کے قیام کا طلب گار ہے جہاں سچائی کے مبلغوں کو حق گوئی کی پاداش میں زہر کا پیالہ نہ پینا پڑے۔ جہاں فرسودہ روایات کی تقلید کا رواج نہ ہو۔ جہاں اپنی بے عملی اور کم ہمتی کو قسمت کے کھاتے میں نہ ڈالا جائے۔ جلالؔ کا کلام دیکھیں:

امتحاں، جرأت سقراط کا کب تک ہو گا　　　زہر حق گوئی کا انعام رہے گا کب تک

خرقۂ کہنۂ تقلید بجسم تحقیق　　　صورتِ جامۂ احرام رہے گا کب تک

اپنی محرومی و بے تابی و بے حالی کا　　　بخت و تقدیر پہ الزام رہے گا کب تک(73)

دیکھنا یہ ہوتا ہے کہ ہمارے ارد گرد پھیلی ہوئی مسائل کی غبارآلود مسموم فضا کو شاعر کس نظر سے دیکھتا ہے۔ وہ اپنے مشاہدات کو تجربات کی شکل میں کیسے ڈھالتا ہے؟۔ قاسم جلال کو اللہ تعالیٰ نے دولتِ احساس سے نوازا ہے۔ آپ جب حیاتِ انسانی کے مختلف مناظر کو مرکزِ توجہ بناتے ہیں تو آپ کے قلب و نظر میں ایک آگ سی لگ جاتی ہے۔ ایک ہلچل سی پیدا ہوتی ہے۔ آپ اس جہانِ حرص و ہوس میں آباد انسان کو پیغامِ محبت دیتے ہیں۔ حق گوئی کو آپ زندگی کی معراج سمجھتے ہیں۔ آپ اس حقیقت سے بھی آگاہ ہیں کہ داعی کو حق گوئی کا انعام قید و سلاسل کے روپ میں ملتا ہے۔ اس صورتِ حال کی تصویر کشی آپ کے کلام میں کتنی عمدگی سے کی گئی ہے۔

دعوتِ حق جلالؔ جب دو گے　　　خیر مقدم کریں گی تعزیریں

ہاتھ باندھے گی ہتھکڑی فوراً　　　اور پاؤں پڑیں گی زنجیریں(74)

مندرجہ بالا قطعے کا عنوان "حق گوئی" ہے۔ زمانے کے نامساعد حالات نے شعرا کو پریشان کر دیا ہے۔ حساس دل رکھنے والے ہر شاعر

نے اہلِ قلم کے دکھ درد کو شدت سے محسوس کیا ہے۔ وہ اہلِ قلم جنھوں نے ہر دور میں قوم کی سوچوں کو پختگی اور تازگی عطا کی ہے، خود کسمپرسی کی زندگی گزارنے پر مجبور ہیں۔ آپ نے اہلِ قلم کی حالتِ زار یوں بیان کی ہے:

کھا جاتی ہے بھوک دماغ اہلِ قلم — جسم ہو شل تو ذہن بھی کام نہیں کرتا
ہیں اشعار غذائے روح، بجا لیکن — ان قلمی آموں سے پیٹ نہیں بھرتا (75)

قاسم جلال کے کلام میں حق گوئی، تحقیق و تجسس، فکر و تدبر اور عقل و بصیرت کا راستہ اختیار کرنے کی دعوت موجود ہے۔ یہ بات ان کے روحانی پیشوا اقبالؒ کے کلام میں موجود ہے۔ آپ کا کلام دیکھیں:

دُکھ درد نے جس کو نہ کیا ہو گھائل — سُکھ چین کی پائے گا وہ کیسے منزل
موجوں کے تھپیڑے نہیں کھائے جس نے — سمجھے گا نہ مفہومِ سکونِ حاصل (76)

علامہ اقبال نے تقریباََ ایک سو سال پہلے جن سائنسی خیالات کا اظہار کیا تھا۔ آج یقیناً ان خیالات کے مطابق ہم زندگی بسر کرنے کی جستجو میں ہیں۔ اس حوالہ سے اقبال کے مستقبل میں ہم جی رہے ہیں۔ آپ نے اس عہد میں جو خواب دیکھے تھے ہم ان خوابوں کی تعبیر کے عہد میں زندہ ہیں۔ عصرِ حاضر کی اسلامی دنیا کے بے شمار مسائل کا حل موجودہ دور کے تقاضوں کے مطابق سائنسی فکر پروان چڑھانے میں ہے۔ آپ کو یہ احساس تھا کہ صدیوں سے جمود نے امت مسلمہ کی صلاحیتوں کو زنگ آلود کر دیا ہے۔ اقوام مغرب کی علمی و فکری فتوحات، سیاسی برتری کی وجہ سے ایک نئی فضا قائم ہو چکی ہے۔ فکری اجتہاد کی بہت ضرورت ہے۔ اگر امت مسلمہ اپنے وجود کو بر قرار رکھنا چاہتی ہے تو اسے اپنے آپ کو سائنسی ہنر مندیوں سے مسلح کرنا ہو گا۔ جمود زدہ حالات سے نکل کر روشن مستقبل کی جانب پیش قدمی کرنا ہو گی۔ انہوں نے انفرادی اور اجتماعی طور پر مسلمانوں کو امید کا پیغام دیا اور یہ پیغام انسانیت کے لیے بھی ہے کہ مستقبل روشن بنایا جائے۔ مستقبل میں زندگی کی حقیقتوں سے نبرد آزما ہونے کے طریقے بتائے۔ برعظیم کی صورتحال کو پیش نظر رکھتے ہوئے اقتصادی، سیاسی اور تمدنی اصلاح و ترقی کی راہیں سمجھائیں۔

زمانہ جدید سائنس اور ٹیکنالوجی کا دور ہے۔ ہر آنے والے دن سائنسی ایجادات و تحقیقات میں اضافہ ہو رہا ہے۔ اِس لیے زندگی میں نت نئی تبدیلیاں ہو رہی ہیں۔ بدلتے زمانے کے ساتھ ساتھ عبادات جیسا کہ نماز، روزہ، زکواۃ، حج اور جہاد وغیرہ میں بہت سے مسائل جنم لے رہے ہیں۔ جبر و قدر کے متعلق قاسم جلال کا نظریہ حقیقی اسلامی نظریہ ہے۔

خدا نے خیر و شر کے راستے دونوں ہیں دکھلائے — دیا ہے اختیار اس کو جسے مرضی ہو اپنائے
اسے گمراہ کرنے کے لیے ایک طرف ہے شیطاں — فریبی، داعیِ کفر و ضلالت، دشمنِ ایماں
پیمبر رہنمائی کے لیے ہیں دوسری جانب — جو لاتے ظلمتِ سحر سے ہیں نورِ خیر کی جانب
ہے خلد، انعامِ انساں گر حدودِ حق کو پہچانے — جلے گا نارِ دوزخ میں کہا شیطاں کا گر مانے (77)

قاسم جلالؔ کے نزدیک ایک ایسا عالم جو اپنے علم پر خود عمل پیرا نہیں جعلی اور نام نہاد عالم ہے۔ اس کے علم سے نہ اسے خود فائدہ پہنچتا ہے اور نہ مخلوق خدا کو۔ جلالؔ کی ایک نظم "عالم بے عمل" کے یہ اشعار ان کے خیالات کی ترجمانی کرتے ہیں۔

عزیزو، بے عمل عالم ہے پارس — بناتا ہے سدا جو دھات کو زر

مگر رہتا ہے خود پتھر کا پتھر (78)

ریاکاری، منافقت اور قول و فعل کے تضاد نے ہمارے معاشرے کو بے چینی، ابتری اور شکست و ریخت کا شکار کر دیا ہے۔ اس ہول ناک جذباتی، سماجی، فکری اور اخلاقی بحران کے ذمہ دار نام نہاد علماء، اربابِ اقتدار، سیاست دان اور اہلِ قلم ہیں۔ قاسم جلال ان کے چہروں سے نقاب اُٹھاتے ہوئے کہتے ہیں:

اس سخن ور! تم جو کہتے ہو وہ کیوں کرتے نہیں ‌ ‌ کیوں ہم آہنگی نہیں کردار اور تحریر میں (79)

شعرا اور ادباء کا معاشرے کے حساس اور ذہین افراد میں شمار کیا جاتا ہے لیکن ہماری بد قسمتی ہے کہ اکثر سخن وروں کی تخلیقات میں تحقیقی و تنقیدی عنصر کا فقدان ہے۔ آج کے دَور میں ایسے ادب کی اشد ضرورت ہے جو سماجی بصیرتوں میں اضافہ کر کے معاشرے کی تشکیلِ نو میں اپنا اہم کردار ادا کرے۔ قاسم جلال نظم "اقرارِ حق" میں کہتے ہیں:

مسئلہ پہلے بخوبی جان لو ‌ ‌ فکر کی چھلنی میں اس کو چھان لو
بحث میں بُرہان دو، بُرہان لو ‌ ‌ بات سچّی ہو تو فوراً مان لو (80)

قاسم جلالؔ روحانیت کا رستہ اپنانے کی تلقین کرتے ہیں۔ مادیت پرستی انسان کو بے اطمینانی اور رنج والم میں مبتلا کر دیتی ہے جس سے انسان زندگی کی حقیقی لذتوں اور مسرتوں سے محروم ہو جاتا ہے۔ بقول جلال:

ہر آن تو جہاں کے بکھیڑوں کی زد میں ہے ‌ ‌ فکرِ زیاں کبھی ہے، کبھی منفعت کی فکر
دُنیا کے واسطے تو پریشاں ہے رات دن ‌ ‌ اے دوست! کی ہے تو نے کبھی آخرت کی فکر؟ (81)

اقبالؔ کا شعر ہے:

خداوندا یہ تیرے سادہ دل بندے کدھر جائیں ‌ ‌ کہ سلطانی بھی عیّاری ہے درویشی بھی مکاری (82)

قاسم جلال کہتے ہیں:

دغابازی ہے، عیّاری ہے، مکّاری ہے دُنیا کی ‌ ‌ جسے کہتا ہے انساں ہوش مندی اور دانائی (83)

تعصب اور فرقہ بندی کے اقبالؔ بھی خلاف ہیں اور قاسم جلالؔ بھی، آپ کہتے ہیں:

مسلمانوں کے حق میں یہ تعصّب فرقہ بندی کا ‌ ‌ حقیقت میں ہے جلّادی، بظاہر مسیحائی (84)

قاسم جلالؔ آج کے انسان کی معاشی مشکلات، سماجی ناانصافیوں اور دیگر روح فرسا مسائل کو اپنی تخلیقات میں بڑی روانی سے پیش کرتے ہیں۔ ان کے کلام میں تجربہ بولتا ہے۔ انھوں نے زندگی کی دھوپ چھاؤں کو بڑی ہمدردی اور دلسوزی سے اشعار کے روپ میں پیش کیا ہے۔ انھوں نے اپنے قلم کو منفی افکار سے آلودہ نہیں کیا بل کہ وہ صرف مقصدیت اور اصلاحِ معاشرہ کے لیے وقف کر رکھا ہے۔

مختصر یہ ہے کہ قاسم جلالؔ نے اقبالؔ کے کلام کا گہری نظر سے مطالعہ کیا ہے اور اس کے کلام میں اقبالؔ کا فکر و شعور نمایاں ہے۔ آپ موجودہ دور کے انتشار، افراتفری، ذہنی کرب و اضطرات کی بنیادی وجہ مذہب سے دوری خیال کرتے ہیں۔ مادہ پرستی انسان کو زندگی کی حقیقی لذتوں اور مسرتوں سے محروم کر کے ڈپریشن میں مبتلا کر دیتی ہے اور یہی نفسانی خواہشات ہیں جن کی وجہ سے شیطان انسان کو صراطِ مستقیم سے

بھٹکا کر اپنے جال میں گرفتار کرلیتا ہے۔

وہ بارگاہِ ایزدی میں دُعا گو ہیں:

مغفرت کُن ای خدائی مہرباں کُن رہا از دامِ شیطانِ رجیم
رحم کُن بر حالِ جملہ عاصیاں تا نظر آید صراطِ مستقیم (85)

قاسم جلال نے اللہ تعالیٰ کی ذات کا ذکر کر کے جہاں حمد کی روح کو اجاگر کرنے کی کوشش کی ہے وہیں گنہگاروں کی بخشش کے لیے دعا، اُس کے رحم و کرم کے نزول کی اِلتجا اور تمام مشکلات کو رفع فرمانے کی استدعا بھی کی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی صفات کا بیان اور اُس کی باتیں انسان کیا پوری کائنات کے بس میں نہیں۔ بندہ تو صرف اس طرح جیسے قاسم جلال نے کہا ہے کہہ سکتا ہے:

ہم ہیں خطا کے پیکر، تُو ہے عطا کا مصدر لغزش کے ہم ہیں خوگر، بخشش ہے کام تیرا (86)

قاسم جلال کے حمدیہ کلام میں جہاں اللہ تعالیٰ کی دیگر صفات کا بیان ہے وہیں انھوں نے اللہ تعالیٰ کی صفت رحیمی و کریمی کی طرف بھی اشارہ کیا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی وہ اعلیٰ صفات ہیں جس سے کسی صورت مفر نہیں۔ قاسم جلال کے حمدیہ اشعار ملاحظہ فرمائیں:

کیوں نہ اس کے سامنے پھیلائیں دامانِ طلب جس کی ہر سُو خوئے فیضان و عطا کی دُھوم ہے
جس سے ہر دم فیض پاتے ہیں سبھی شاہ و گدا ہر طرف اُس منبعِ جود و سخا کی دھُوم ہے
ہیں جو دَر دَر کے بھکاری اُن کے دل میں بھی جلالؔ ایک ہی مشکل کشا، حاجت روا کی دُھوم ہے (87)

ان کی شاعری اقدارِ خیر کو اُجاگر کرتی ہے۔ اخلاقیات کی پاسداری ان کا شیوہ ہے۔ جس کا پرچار وہ اپنے کلام میں جابجا کرتے نظر آتے ہیں۔ موجودہ نسل کی اسلام سے دُوری انھیں گراں گزرتی ہے۔ عشقِ مصطفیؐ کو دُنیوی و اُخروی نجات کا ذریعہ سمجھتے ہوئے کہتے ہیں:

حکمِ یزداں است، فرمانِ محمد مصطفیؐ تُو اگر خواہی رضائے حق بیا، سُوی نبیؐ
من چرا ترسم زشب ہائی طویلِ غم جلالؔ ہست در قلبم سدا جلوہ فشاں روئے نبیؐ (88)

الغرض قاسم جلال کی ہر نعت اپنے رنگ میں رنگین تر اور تقدس آفریں ہے۔ زبان سادہ ہے، کہیں بھی اشکال، ابہام اور پیچیدگی نظر نہیں آتی۔ ان کی نعتوں سے مسلمانوں کے مسلمہ ایمان و یقین کو مہمیز ملتی ہے۔ گویا قاسم جلال نے نعت کو ایک زبردست انقلاب آفریں تحریک کے طور پر پیش کیا ہے۔ آپ ان راہوں کے مسافر ہیں جو مدینے کو جاتی ہیں۔ ان راہوں کے حدی خواں ڈاکٹر علامہ محمد اقبال ہیں۔ قاسم جلال جہاں حضرت محمد ﷺ کی چند دیگر صفات کی طرف اشارہ کرتے ہیں وہیں رحمۃ اللعلمین کی صفت کو بڑے خوب صورت انداز میں آپ ﷺ کی آمد سے ملاتے ہوئے رقم طراز ہیں:

ارضِ تشنہ کام پر، برسا، سحابِ نورِ حق اِس زمیں کو ایک انعامِ حسین بخشا گیا
غرقِ گردابِ بلا تھا، جب سفینہ دہر کا ناخدا اِک رحمۃ اللعالمین بخشا گیا (89)

قاسم جلال کے کلام کے پس منظر میں جھانکیں تو ہر لفظ کے پیچھے کوئی داستان یا تاریخ دکھائی دیتی ہے جنھیں احاطۂ تحریر میں لانا مشکل ہے۔ علامہ اقبال کی شاعری برِعظیم کے مسلمانوں کے لیے پیغام حیات ثابت ہوئی۔ انھوں نے اپنی پُرجوش شاعری کے ذریعے مسلمانوں کی

رگوں میں نئی لہر دوڑادی۔ ان کی شاعری اسلامی اور اخلاقی تصورات کی حامل ہے۔ اتحاد عالمِ اسلام، مردِ مومن، تربیت خودی، حرکت و عمل اور امن و سکون پر مبنی معاشرے کا قیام اقبال کی شاعری کے بنیادی موضوعات ہیں۔ قاسم جلال کو علامہ اقبال کی شخصیت سے جو عقیدت و محبت ہے اس کا اظہار انھوں نے یوں کیا ہے:

صاحبِ عرفاں، خودی کا رازداں اقبال تھا   جذبۂ عشق و جنوں کا ترجماں اقبال تھا
مردِ مومن، خیر خواہ ملتِ اسلامیہ   علم و آگاہی کا بحرِ بے کراں اقبال تھا(90)

قاسم جلال ایک قادرالکلام شاعر ہیں۔ ان کی شاعری میں موضوعات کا تنوع اور رنگا رنگی پائی جاتی ہے۔ وہ بنیادی طور پر سنجیدہ فکر کے شاعر ہیں۔ انھوں نے اپنی شاعری میں معاشرے کے مختلف مسائل کو بڑے مفکرانہ انداز میں پیش کیا ہے۔ وہ اپنی شاعری میں معاشرتی تضادات ، ناانصافی، ظلم و ستم اور جبر و استحصال کی سختی سے مذمت کرتے ہیں۔ انھوں نے اپنی شاعری میں طنز و تعریض کے پیرائے میں معاشرے میں پائے جانے والے منافقانہ رویوں کی نشان دہی کی ہے۔

یہ امن و عدل کے جعلی محافظ ہیں، بچو ان سے   کہ جلادوں کے ہاتھ سے مسیحائی نہیں ہوتی(91)

قاسم جلال نے اپنے کلام میں تصنع اور ریاکاری کے الم ناک انجام کی بھی نشان دہی کی ہے۔ ہمارے معاشرے میں طبقاتی کشمکش اپنے عروج پر ہے۔ لوگ اپنی ناک اونچی رکھنے اور معاشرے میں سربلند نظر آنے کے لیے مختلف ہتھکنڈے استعمال کرتے ہیں۔ بقول جلال:

شاعری میں، میں نے آئینہ دکھایا ہے انہیں   اس لیے اُن کو مرا رنگِ سخن بھایا نہیں(92)

قاسم جلال کی شعری کاوشوں میں ان کا نظریہ حیات جھلکتا ہے۔ چوں کہ ان کے نظریہ حیات میں مذہبی سچائیوں کی گونج ہے اس لیے ان کے کلام میں بھی زندگی کے آثار ہیں۔ اس بات کا ثبوت ان کے اس بیان سے ہوتا ہے کہ وہ رنگین خیالی کو بھی حقیقت آشنا کر کے شعری قالب میں ڈھالنے کو فنِ شاعری کا بنیادی وصف قرار دیتے ہیں۔

ہے فنِ شاعری کی اصل بنیاد   حقیقت آشنا رنگین خیالی(93)

شاید اسی لیے قاسم جلال نے نوعِ بشر سے براہ راست مکالمہ کرنا ضروری سمجھا ہے۔

اے نوعِ بشر! ایک کا دینا ہے تجھے ساتھ   اک سمت نمرود ہے اک سمت ابراہیمؑ(94)

اس مکالمہ نما شعر میں قاسم جلال نے خیر و شر کی قوتوں کا علامتی اظہار کر کے نوع بشر کو اپنی راہ متعین کرنے کا اختیار دیتے ہوئے بشر کا چہرہ دکھانے کی کوشش کی ہے۔

قاسم جلال کی شاعری میں ملی درد، راست فکری اور اسلام کی عملی تعبیر کے فقدان سے پیدا ہونے والی بے بسی، اقوام عالم میں روح چنگیزی کے سرایت کر جانے کی آگہی سے پیدا ہونے والے غم و غصے کے شواہد ملتے ہیں۔ بعض نظموں یا غزلوں پر بلاشبہ اقبال کا لہجے کا پرتو بھی محسوس ہوتا ہے۔

اس دور کے چنگیز و ہلاکو بھی جلال آج   دیتے ہیں ہمیں عدل و مساوات کی تعلیم!(95)

سوچ کا پہلا اظہار ہی اپنی منزل کی سمت نمائی کرتا ہے۔ قاسم جلال نے زندگی کے کسی لمحے میں غفلت نہیں برتی، چاہے وہ اعلیٰ تعلیم کا

حصول ہو یا تخلیقی عمل۔ ہماری اردو شاعری میں آئینہ سچائی کی علامت ہے۔ قاسم جلال اپنے کلام میں آئینے کا فریب کھول کر ہمیں سچ کا چہرہ دکھاتا ہے۔ اس حوالہ سے ان کا یہ کلام دیکھیں:

آدمی کو روز و شب دیتے ہیں آئینے فریب　　　اصل چہرہ تو کسی نے آج تک دیکھا نہیں(96)

اعلیٰ اقدار کی پامالی دورِ حاضر کا سنگین مسئلہ ہے۔ سچ پر جھوٹ کی حکمرانی نے انسان کو پیچیدہ مسائل سے دوچار کر دیا ہے۔ جب جھوٹ ہی انصاف کا معیار بن جائے تو حصولِ حق کے لیے زنجیرِ عدل ہلانے کا کوئی فائدہ نہیں۔ قاسم جلال اس موضوع کو شعر کے قالب میں یوں بیان کرتے ہیں۔

ملزم کا جھوٹ عدل کا معیار بن گیا　　　میرے ثبوت بھی مجھے سچا نہ کر سکے(97)

قاسم جلال کو فکری اور شعری سطح پر ایسا حق بات کہنے کی استطاعت حاصل ہے۔ ان کا کینوس وسیع ہے۔ مشاہدہ گہرا اور ادراک تجزیاتی ہے۔ انھوں نے زندگی کو مختلف پیرہن میں دیکھا ہے۔ ان کی خواہش ہے کہ زندگی کا وقار ہمیشہ قائم رہنا چاہیے۔ انھوں نے زندگی کو سدھارنے کے لیے بہت کوشش کی ہے۔

مشاہدات کا محفل میں کل جو ذکر چھڑا　　　ہمیں یہ مشورہ دینے لگے سخن ور "دو"
تمام اہل نظر کی نکال دو آنکھیں　　　"نیا سفر ہے پرانے چراغ گل کر دو"(98)

ذوق طلب سچا ہو تو راستے بھی رہبر بن جاتے ہیں اور منزلیں آگے بڑھ کر قدم چوم لیتی ہیں۔ اگر رہنما بد باطن ہوں تو قوم کس سفر پر کار کے دائرے کی شکل اختیار کر لیتا ہے اور بارہا گزر جانے کے باوجود بھی نہ سفر اختتام پذیر ہوتا ہے اور نہ دور دور تک منزل کا نشان ملتا ہے۔

بصد شوق منزل کی جانب بڑھے ہیں　　　مسلسل سفر کے مصائب سہے ہیں
اگر چہ بہت فاصلے طے کیے ہیں　　　جہاں سے چلے تھے وہیں ہم کھڑے ہیں(99)

یہ ایک تلخ حقیقت ہے کہ مذہبی علماء ہوں یا سیاسی اکابرین، ملت کی شکست و ریخت میں ان کا بڑا ہاتھ ہے۔ ان خود غرض اور مفاد پرست ٹولوں نے ہمیشہ اپنے مذموم مقاصد کی بر آری کے لیے مختلف عصبیتوں کا سہارا لے کر عوام کے اتحاد کو پارہ پارہ کیا ہے۔ قبل از اسلام جاہلیت کے کئی نشانات آج بھی ہم نے اپنے ماتھوں پر سجا رکھے ہیں۔

چاہتے ہیں عدو کہ وحدت کا　　　آخری نقش تک مٹا ڈالیں
جتنے بستے ہیں ملک میں افراد　　　اتنی قومیتیں بنا ڈالیں(100)

ارتقا پسندی انسانی فطرت و سرشت کا خاصہ ہے۔ انسان تمام عمر اسی راہ پر گامزن رہتا ہے۔ اس کے شوق و جذبے کی کوئی حتمی اور آخری منزل نہیں ہوتی۔ اس کی ابتدا گھٹنوں کے بل رینگنا اور انتہا آفاق کی بسیط پہنائیوں کو زیر کرنا ہے۔ یہی جبلت اسے خوب سے خوب تر کی تلاش میں سرگرم رکھتی ہے۔ اسی سے ہستی رواں دواں ہے۔ اگر یہ جذبہ سرد پڑ جائے تو انسان پتھر کی صورت جامد ہو کر رہ جائے گا۔

اے آس! ابھی نہ چھوڑ کر جا　　　شیرازۂ دل بکھر نہ جائے
مرنے کا خیال جی نہ اٹھے　　　جینے کی امنگ مر نہ جائے(101)

قاسم جلال موجودہ استحصالی صورت حالات سے مایوس اور ناامید نہیں بل ان کی شاعری میں رجائیت پسندی ہے۔ قاسم جلال، سماج، انسان اور کائنات کو ترقی پسند نقطہ ٔنظر سے دیکھتے ہیں۔ان کے کلام میں مفکرانہ اور فلسفیانہ انداز بھی موجود ہے۔ان کے کلام میں جابجانفسیاتی نقطہ ٔ نظر سے مختلف معاشرتی رویّوں کو بیان کیا گیاہے۔ان کا انداز استدلالی اور منطقی ہے۔آپ سمجھتے ہیں کہ مشکلات آسانیوں کا پیش خیمہ ہوتی ہے۔

قاسم جلال کے کلام میں زبان وبیان میں جدید رنگ کے حامل استعارات وتشبیہات کا استعمال ان کی فن کارانہ فطری صلاحیتوں کی نشان دہی کرتا ہے۔ آپ جو کچھ سوچتے اور محسوس کرتے ہیں اسے الفاظ کی زبان دینے میں پوری مہارت و قدرت رکھتے ہیں۔ آپ کی ہمہ جہت فنی ریاضت انتہائی پر اعتماد انداز میں آگے بڑھ رہی ہے جو آپ کے عظیم ادبی مقام کی ضامن ہے۔

اقبال اور جلال کے افکار میں جو اہم بات ہے وہ فلسفہ حیات ہے۔ یہ کہنا بے جانہ ہو گا کہ قاسم جلال بھی اقبال کی طرح نئی نسل کے نمائندہ شاعر ہیں۔ اقبال و جلال دونوں حقیقت پسند شاعر ہیں۔ ان کی شاعری کا رجحان فلسفے کی جانب ہے۔ علامہ اقبال کے بعد بہت سے کم شاعروں کو اقبال کی تقلید کا خیال آیا۔اقبال کی جن شاعروں نے تقلید کی ان میں قاسم جلال کا مقام نمایاں ہے۔

سیّد قاسم جلال نے اقبال کے تمام مجموعہ کلام کا عرق ریزی سے مطالعہ کیااور تمام شعری سرمائے کے ہر موضوع پر سیر حاصل بحث کی۔ ان کے اندازِ کلام کو اپنے اسلوب میں ڈھالا۔ آپ کا اسلوب شگفتہ، سادہ اور اندازِ بیان معروضی ہے۔ آپ نے اقبال اور معاصرین اقبال کی شاعری میں ملّی، مقصدی، مذہبی اور اخلاقی شاعری کو تحقیقی و تنقیدی انداز میں شاعری کی شکل میں پیش کیا ہے۔ آپ کے خیال میں وطن پرستی، آزادی غیرت وحمیت اور اسلامی اخلاق کی ترجمانی کے حوالے سے یہ دور خاص اہمیت کا حامل ہے۔اس دور پر اقبال کے اثرات زیادہ واضح اور دور رس نظر آتے ہیں۔یہی وجہ ہے کہ اقبال اپنے عہد کے علاوہ مابعد عہد میں بھی ایک رجحان ساز شاعر کے طور پر سامنے آتے ہیں۔

حوالہ جات

1. اقبال، کلیات اقبال اُردو (لاہور: اقبال اکادمی پاکستان 2007ء) ص 573
2. ایضاً، ص 199
3. ایضاً
4. ڈاکٹر شاکر کنڈان، "اکیسویں صدی اور قاسم جلال، (مرتبہ) شفیق الرحمٰن الہ آبادی، اکیسویں صدی کا اقبال۔ ڈاکٹر سید قاسم جلال، ص 44-43
5. اقبال، کلیات اقبال اُردو (لاہور: اقبال اکادمی پاکستان، 2007ء)، ص 353
6. ایضاً، ص 377
7. سیّد قاسم جلال، پیامِ انقلاب (فارسی) (کراچی: جبران اشاعت گھر، ۲۰۱۵ء)، ص 86
8. سیّد قاسم جلال، رموزِ عرفاں (کراچی: جبران اشاعت گھر، ۲۰۱۲ء) ص 80
9. سیّد قاسم جلال، صورِ اسرافیل (کراچی: جبران اشاعت گھر، ۲۰۱۱ء)، ص 193
10. سیّد قاسم جلال، رموزِ عرفاں، ص 75
11. ڈاکٹر علامہ محمد اقبال، بال جبریل، ص 60
12. سیّد قاسم جلال، پیامِ انقلاب (فارسی)، ص 80
13. سیّد قاسم جلال، زہر و تریاق، ص 51
14. اقبال، کلیات اقبال اُردو (لاہور: اقبال اکادمی پاکستان، ۲۰۰۷ء) ص 337
15. سیّد قاسم جلال، زہر و تریاق، ص 94
16. اقبال، کلیات اقبال اُردو (لاہور: اقبال اکادمی پاکستان، 2007ء) 375
17. سیّد قاسم جلال، پیامِ انقلاب (فارسی)، ص 84
18. اقبال، کلیات اقبال اُردو (لاہور: اقبال اکادمی پاکستان، 2007ء)، ص 124
19. ایضاً، ص 167
20. علامہ اقبال، کلیات اقبال اُردو (بال جبریل) (لاہور: فرغ پبلشرز، 1980ء) ص 20
21. علامہ محمد اقبال، ضرب کلیم، ص 177

22. اقبال، کلیاتِ اقبال اُردو، ص55

23. اقبال، کلیاتِ اقبال اُردو(لاہور: اقبال اکادمی پاکستان، ۲۰۰۷ء)ص109

24. ایضاً، ص301

25. اقبال، کلیاتِ اقبال اُردو(لاہور: اقبال اکادمی پاکستان، 2007ء)ص295

26. ڈاکٹر محمد امین، ہمارا تعلیمی بحران اور اس کا حل(لاہور: ادارہ مطبوعات طلبہ، 2010ء)ص20

27. ڈاکٹر محمد امین ہمارا دینی نظامِ تعلیم(لاہور: دارالاخلاص، 2004ء)ص33

28. اقبال، کلیاتِ اقبال اُردو، ص666

29. سیّد قاسم جلال، نوشتۂ دیوار(لاہور: تسکین ذوق پبلشرز، 2017ء)ص109

30. ایضاً، ص94

31. ڈاکٹر اسلم فرخی، "ایک خوش فکر شاعر"، سید قاسم جلال، رموزِ عرفاں، ص18

32. سیّد قاسم جلال، نوشتۂ دیوار، ص120

33. سیّد قاسم جلال، زہر و تریاق(لاہور: گڈ بکس پبلشرز، 2008ء)ص106

34. قاسم جلال، (مرتبہ) ماہنامہ سنھڑا(بہاول پور: قاسم جلال نمبر، 1998ء)ص48

35. سید قاسم جلال، (مرتبہ) جمشید اقبال، عہد نو کا تخلیق کار ڈاکٹر سیّد قاسم جلال(اسلام آباد: مکتبہ عکاس، ۲۰۱۰ء)، ص103

36. سیّد قاسم جلال، (مرتبہ) ماہنامہ سنھڑا، ص144

37. پروفیسر عاصی کرنالی "میری رائے میں"، (مرتبہ) شفیق الرحمٰن الہ آبادی، اکیسویں صدی کا اقبال۔ ڈاکٹر سید قاسم جلال، ص252

38. سیّد قاسم جلال، نوشتہ دیوار، ص90

39. سید قاسم جلال، (مرتبہ) جمشید اقبال، عہد نو کا تخلیق کار ڈاکٹر سیّد قاسم جلال، ص38

40. سیّد قاسم جلال، اقدار، ص50

41. سیّد قاسم جلال، زہر و تریاق، ص106

42. سیّد قاسم جلال، رموزِ عرفاں، ص60

43. سیّد قاسم جلال، صورِ اسرافیل، ص77

44. عاصی کرنالی، "سیّد قاسم جلال۔ مشاہیر علم و ادب کی نگاہ میں"، ماہنامہ رشحات(لاہور: سیّد قاسم نمبر، جولائی ۲۰۰۵ء)ص29

45. سیّد قاسم جلال، صورِ اسرافیل، ص75
46. ایضاً، ص163
47. ایضاً
48. ایضاً، ص74
49. ایضاً، ص73
50. سیّد قاسم جلال، صورِ اسرافیل، س88
51. پروفیسر ضیغم شمیروی، "سیّد قاسم جلال۔ مشاہیر علم و ادب کی نگاہ میں"، ماہنامہ رشحات (لاہور: سیّد قاسم نمبر، جولائی ۲۰۰۵ء) ص 29
52. سیّد قاسم جلال، پیامِ انقلاب (فارسی)، ص60
53. ڈاکٹر شفقت قاضی، "قاسم جلال"، (مشمولہ) آئینہ احساس (حجرہ شاہ مقیم (ضلع اوکاڑا)، انجمن ارباب ذوق، ۱۹۸۶ء)، ص280
54. اقبال، کلیات اقبال اُردو (لاہور: اقبال اکادمی پاکستان، 2007ء)، ص370
55. خلیفہ عبد الحکیم، فکرِ اقبال، ص252
56. سیّد قاسم جلال، دیوان جلال، ص40-41
57. سیّد قاسم جلال، مدحت خیر البشرؐ، ص30
58. سیّد قاسم جلال، پیامِ انقلاب (فارسی)، ص62
59. سیّد قاسم جلال، دیوانِ جلال، ص96
60. ایضاً
61. ایضاً
62. ایضاً
63. ایضاً، ص97
64. پروفیسر جمیل احمد عدیل، "لمحہ موجود کی نوک پر رقص فرزانگی، ماہنامہ سنھڑا (بہاول پور: قاسم جلال نمبر، ۱۹۹۸ء) ص121-120
65. ڈاکٹر فرمان فتح پوری، "سیّد قاسم جلال۔ مشاہیر علم و ادب کی نگاہ میں"، ماہنامہ رشحات (لاہور: سیّد قاسم نمبر، جولائی ۲۰۰۵ء) ص27
66. ڈاکٹر عاصی کرنالی، ایضاً، ص29

67. اقبال، کلیات اقبال اُردو (لاہور: اقبال اکادمی پاکستان 2007ء) ص492
68. سیّد قاسم جلال، نوشتۂ دیوار، ص31
69. ایضاً، ص61
70. سیّد قاسم جلال، رموزِ عرفاں، ص24
71. ایضاً، ص54
72. ایضاً
73. ایضاً
74. سیّد قاسم جلال، صورِ اسرافیل، ص201
75. سیّد قاسم جلال، (مرتبہ) جمشید اقبال، عہد نو کا تخلیق کار، ص39
76. سیّد قاسم جلال، صورِ اسرافیل، ص196
77. سیّد قاسم جلال، رموزِ عرفاں، ص75
78. سیّد قاسم جلال، صورِ اسرافیل، ص100
79. سیّد قاسم جلال، رموزِ عرفاں، ص63
80. ایضاً، ص61
81. سیّد قاسم جلال، نوشتہ دیوار، ص42
82. سیّد قاسم جلال، صورِ اسرافیل، ص59
83. ایضاً، ص60
84. سیّد قاسم جلال، پیامِ انقلاب، ص50
85. ایضاً، ص52
86. قاسم جلال، مدحت خیر البشرؐ، ص33
87. ایضاً، ص37-38
88. سیّد قاسم جلال، پیامِ انقلاب، ص51
89. سیّد قاسم جلال، مدحت خیر البشرؐ، ص41

90. سیّد قاسم جلال،اقدار،ص68
91. سیّد قاسم جلال،بانگ جرس،ص98
92. ایضاً،ص111
93. سیّد قاسم جلال،(مرتبہ)عزیزاحسن"ڈاکٹر سیّد قاسم جلال کی شاعری"،ماہنامہ رشحات،ص60
94. ایضاً
95. ایضاً
96. ایضاً،ص82
97. سیّد قاسم جلال،(مرتبہ)جمشیداقبال،عہدنو کا تخلیق کار ڈاکٹر سیّد قاسم جلال،ص93
98. سیّد قاسم جلال،نوشتۂ دیوار،ص67
99. سیّد قاسم جلال،صورِاسرافیل،ص198
100. ایضاً،،ص193
101. سیّد قاسم جلال،(مرتبہ)جمشیداقبال،عہدنو کا تخلیق کار ڈاکٹر سیّد قاسم جلال،ص36